دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

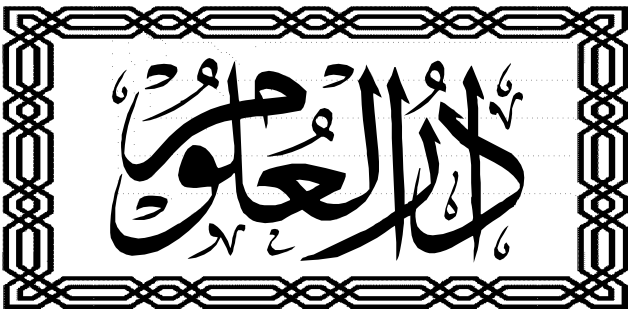

جلد: ۹۹	ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ مطابق اکتوبر ۲۰۱۵ء	شمارہ: ۱۰

نگراں	مدیر
حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند- ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.: 2133/57
Vol. No. 99, Issue No. 10, October 2015 अक्तूबर **2015**
Printer Publisher :- Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Habibur Rahman Azmi
Owner :- Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 20/=	Annual Subscription Rs. 200/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۱۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۵۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۵۰۰ روپے

فہرست مضامین

نمبر شمار	نگارش	نگارش نگار	صفحہ
۱	حرفِ آغاز	حبیب الرحمٰن اعظمی	۳
۲	حج ایک عاشقانہ سفر	خورشید عالم داؤد قاسمی	۶
۳	قربانی کا معنی ومفہوم اور مختصر تاریخ	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی	۱۳
۴	فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ کا تحقیقی جائزہ	مولانا محمد انس حسان	۲۴
۵	اسلام میں یتیم ونادار بچوں کی کفالت	مفتی محمد فیاض قاسمی	۳۲
۶	رزق کی قدردانی	مولانا رفیع الدین حنیف قاسمی	۳۵
۷	مدارس کا نظام تربیت	مولانا میر زاہد مکھیالوی	۳۹
۸	دارالعلوم دیوبند کا نیازمندانہ سفر	مولانا عبدالرؤف غزنوی	۴۲
۹	مولانا عبدالرحیم بستوی بھی چل بسے	....	۵۴

ختم خریداری کی اطلاع

- یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- چونکہ رجسٹری فیس میں اضافہ ہوگیا ہے۔اس لیے وی پی میں صرفہ زائد ہوگا۔
- پاکستانی حضرات جناب مولانا شیر محمد صاحب ناظم جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور کو اپنا چندہ روانہ کریں۔
- ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

حبیب الرحمٰن اعظمی

دسویں صدی ہجری کے اخیر اور گیارہویں صدی ہجری کے آغاز کا زمانہ ہندوستان میں اسلام اور حامیانِ اسلام کے لیے انتہائی نازک شمار کیا جاتا ہے؛ جب کہ مغل تاجدار جلال الدین اکبر (۹۶۳/۱۰۱۴ء) نے شہنشاہیت کی ترنگ اور عقلیّت کے نشہ میں عقل و ہوش سے بے نیاز ہوکر ''دینِ اسلام'' کے متوازی ''دین الٰہی'' کے نام سے ایک جدید مذہب کی تحریک چلائی۔

دربارِ اکبری سے منسلک ایک ثقہ عالم اور مستند مؤرّخ ''ملا عبدالقادر بدایونی'' اس جدید مذہب کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اکبر کا حال یہ تھا کہ جب اس کے سامنے کسی معاملہ سے متعلق شرعی ثبوت پیش کیے جاتے تو برہم ہوکر یہ کہتا تھا کہ یہ سب ملاؤں کی باتیں ہیں مجھ سے تو عقل وحکمت ہی کی باتیں بیان اور دریافت کی جائیں (منتخب التواریخ، ص ۳۰۸) اس عقلیت پرستی کے دور میں عام طور پر یہ بات مشہور کردی گئی تھی کہ ''دین کا مدار عقل پر ہے، نقل پر نہیں'' (م، ص ۲۱۱) مؤرخ بدایونی نے اس سے بھی خطرناک روش کی اطلاع دی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ یہ برخود غلط مجتہد اور امام تھا، وحی الٰہی کو محال قرار دیتا، غیب اور عالم غیب سے متعلق ارشاداتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی برملا تکذیب کرتا اور فرشتوں، جنّات، معجزات، بعث بعد الموت، حساب و کتاب اور ثواب وعذاب کا کھلے لفظوں انکار کرتا تھا (ص ۲۷۳) اس الحاد و زندقہ میں صرف اکبر ہی نہیں گرفتار تھا؛ بلکہ اس کے اردگرد رہنے والوں میں سے اکثر لوگوں کا حال یہی تھا، معجزاتِ نبوی کے ساتھ استہزاء کی کیفیت کو ملا بدایونی نے یوں بیان کیا ہے کہ ''بھرے دربار میں ایک پیر پر کھڑے ہوکر معراجِ رسول (ﷺ) کا مذاق اڑاتا اور کہتا کہ میں جب اپنا دوسرا پیر اٹھا کر کھڑا نہیں رہ سکتا تو راتوں رات ایک شخص آسمان سے اوپر کیسے پہونچ گیا، پھر خدا سے

باتیں بھی کیں اور جب واپس ہوا تو بستر تک گرم تھا'' اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مذاق واستہزاء کا یہی معاملہ شق القمر اور دیگر معجزات کے ساتھ بھی تھا (ص ۲۱۷) اکبر کے اس سطحی طریقِ استدلال سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مدعیانِ عقل کی عقل وفہم کو کس طرح زائل فرمادیتے ہیں۔

ائمۂ دین اور مجتہدینِ اسلام کی توہین وتحقیر برسرِعام کی جاتی تھی اور انھیں فقیہ کور، رجعت پسند، رفتارِ زمانہ سے ناواقف، خشک ملا اور متعصب، جیسے اہانت آمیز الفاظ سے یاد کیا جاتا تھا، دربارِ اکبری کا ممتاز محقق، دین الٰہی کا مرتب ابوالفضل فقہائے کرام کے فیصلوں کو یہ کہہ کر رد کردیا کرتا تھا کہ ان مٹھائی فروخت کرنے والوں، جوتا گانٹھنے والوں اور چمڑا فروشوں کی بات کیسے مان لوں (ص ۲۰۰) (یہ ائمۂ فقہ شمس الدین عبدالعزیز بن احمد الحلوائی متوفی ۴۹۸ھ اور شیخ احمد بن عمر خصّاف متوفی ۲۶۱ھ کی نسبتوں کی طرف تعریض ہے)

دین اسلام کی بیخ کُنی کی ان عملی کوششوں کے ساتھ علمی طور پر اسلامی عقائد واعمال کے اندر شکوک وشبہات پیدا کرنے کی غرض سے (آج کل کی اصطلاح میں اسلام کا آزاد سائنٹفک مطالعہ کے لیے قانون ساز کونسلیں قائم کی گئیں، اس کمیٹی میں اسلامی عقائد اور مسلمات کے متعلق عقل کی روشنی میں فیصلے کیے جاتے اور اسلامی معتقدات کا مذاق اڑایا جاتا، اگر کسی ممبر کی ایمانی غیرت بیدار ہوجاتی اور وہ ان فیصلوں پر اختلافی نوٹ لکھنا چاہتا تو اسے روک دیا جاتا تھا (ص ۳۱۷)

غرضیکہ ایک عظیم تحریک تھی جو ایک مطلق العنان خودسر بادشاہ کی سرپرستی میں دینِ اسلام کے خلاف چلائی جارہی تھی اور مظلوم اسلام انتہائی کس مپرسی کے ساتھ اس کی مخالفانہ اور معاندانہ یورشوں کو برداشت کررہا تھا؛ لیکن وہ اسلام جو دنیا میں سربلندی کے لیے برپا کیا گیا تھا، آخر کب تک اس کس مپرسی اور بیچارگی کی حالت میں رہتا، الف ثانی کے اس محرفِ اعظم کی دین اسلام میں تحریفات دیکھ کر سرہند میں آباد خانوادۂ فاروقی کے ایک فرزندِ رشید شیخ احمد فاروقی کی رگِ فاروقیت پھڑک اٹھی اور اپنی تمام تر بے سروسامانی کے باوجود برِصغیر کی اس سب سے بڑی طاقت سے ٹکرا گئے، ابتدا میں اگرچہ چندے قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں؛ لیکن آخر میں دنیا نے دیکھ لیا کہ محرفِ الف ثانی کے مقابلہ میں فتح وکامرانی مجدّدِ الف ثانی ہی کے حصہ میں آئی اور جس گھر سے اسلام کو بیخ وبن سے اکھاڑنے کی تحریک چلی تھی، اسی گھر میں اورنگ زیب، جیسا اسلام دوست اور شاہی میں فقیری اداؤں کا رمزشناس بادشاہ پیدا ہوا، جس نے اسلامی حمیت کا قابلِ ستائش مظاہرہ کرتے ہوئے، ببانگِ دُہل اعلان کیا کہ ''جدِما اکفر بود''۔

تین چار صدی تک کنجِ گمنامی میں پوشیدہ رہنے کے بعد عقلیت پرستی کا یہ فتنہ سرزمین علی گڈھ و دہلی سے پھر سر اٹھا رہا ہے اور قرطاس وقلم کے زور سے امت کے رشتے کو سلفِ صالحین اور صحابۂ کرام سے کاٹنے کی ناروا کوشش کی جارہی ہے، یہ فتنہ اپنے نام ولباس کے اعتبار سے اگرچہ مختلف ہے؛ لیکن اس کی روح اور آئیڈیل وہی فتنۂ اکبری ہے۔

الحاصل شراب وہی پرانی ہے؛ لیکن پیالے بدل بدل کر پیش کی جارہی ہے، فتنہ تو وہی قدیم ہے؛ مگر اسے مختلف رنگ برنگ لباس سے آراستہ وپیراستہ کرکے سامنے لایا جارہا ہے، اربابِ بصیرت جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی معرفت کی دولت سے نوازا ہے، وہ تو پہلی ہی نظر میں اصل حقیقت کو تاڑ لیتے ہیں اور انھیں دیکھ کر برملا پکار اٹھتے ہیں کہ

بہر رنگِ کہ خواہی جامہ پوشی
من انداز قدت را می شناسم

لیکن جنھیں دین کی پوری بصیرت حاصل نہیں ہوتی، وہ بسا اوقات ظروف کی جدت اور لباس کی تراش وخراش سے متاثر ہوکر مبتلائے فریب ہوجاتے ہیں؛ اس لیے حضرات علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس فتنہ کی حقیقت سے عام مسلمانوں کو آگاہ کریں اور جس طرح حضرت مجدد الفِ ثانی اور شیخ عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہما نے اس فتنہ کے مرجع ومنشاء یعنی فتنۂ اکبری کا مقابلہ ہر خوف وخطر اور لومۃ لائم سے بے نیاز ہوکر کیا اور اس سلسلے میں ہر مشقت کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کی، اسی غیرت ایمانی کے ساتھ نفع ونقصان کے اندیشہ سے بالاتر ہوکر آج کے روشن خیالِ تاریک دل تہذیب مغرب کے آلہ کاروں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوجائیں اور ان کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے سدِّ سکندری بن کر کھڑے ہوجائیں۔

❁ ❁ ❁

حج ایک عاشقانہ سفر

از: خورشید عالم داؤد قاسمی
مون ریزٹرسٹ اسکول، زامبیا

حج کی فرضیت

حج اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک ہے جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔ حج کی فرضیت قرآن کریم، حدیث شریف اور اجماع امت سے ایسے ہی ثابت ہے، جیسا کہ نماز، روزہ اور زکاۃ کی فرضیت ثابت ہے؛ اس لیے جو شخص حج کی فرضیت کا انکار کرے، وہ کافر ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ" (سورہ آل عمران، آیت: ۹۷) ترجمہ: ''اور اللہ کے واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا ہے، یعنی اس شخص کے جو کہ طاقت رکھے وہاں تک کی سبیل کی اور جو شخص منکر ہو؛ تو اللہ تعالی تمام جہاں والوں سے غنی ہیں''۔ یہ آیت کریمہ حج کی فرضیت کے حوالے سے نص قطعی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پانچوں ارکان کو ایک حدیث شریف میں بیان فرمایا ہے۔ "بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ". (بخاری شریف، حدیث نمبر: ۸) ترجمہ: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا''۔

ایک عاشقانہ سفر

انسانی طبیعت یہ تقاضہ کرتی ہے کہ انسان اپنے وطن، اہل وعیال، دوست ورشتہ دار اور مال

و دولت سے انسیت و محبت رکھے اور ان کے قریب رہے۔ جب آدمی حج کے لیے جاتا ہے؛ تو اسے اپنے وطن اور بیوی و بچے اور رشتے دار و اقارب کو چھوڑ کر اور مال و دولت خرچ کر کے جانا پڑتا ہے۔ یہ سب اس لیے کرنا پڑتا ہے کہ حج کی ادائیگی شریعت کا حکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے حج کے حوالے سے بہت ہی رغبت دلائی ہے، انسان کو کعبہ مشرفہ کے حج و زیارت پر ابھارا، مہبط وحی و رسالت کے دیدار کا شوق بھی دلایا ہے اور سب سے بڑھ کر شریعت نے حج کا اتنا اجر و ثواب متعین فرمایا ہے کہ سفر حج ایک عاشقانہ سفر بن جاتا ہے۔ ذیل کے سطور میں، حج کا اجر و ثواب احادیث شریفہ کی روشنی میں، ملاحظہ فرمائے!

حج انتہائی نیک عمل ہے

حضرت ابوہریرہ -رضی اللہ تعالی عنہ- بیان کرتے ہیں: ''سُئِلَ النَّبِيُّ – صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ– أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: ''إِيمَانٌ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ" قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: "جِهَادٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ" قِيلَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: حَجٌّ مَبْرُورٌ''. (بخاری شریف، حدیث نمبر: ۱۵۱۹)
ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کون سے اعمال اچھے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا''۔ پوچھا گیا پھر کون؟ فرمایا: ''اللہ کے راستے میں جہاد کرنا''۔ پوچھا گیا پھر کون؟ ارشاد فرمایا: ''حج مبرور''۔

حج مبرور کیا ہے؟

- وہ حج جس کے دوران کوئی گناہ کا ارتکاب نہیں ہوا ہو۔
- وہ حج جو اللہ کے یہاں مقبول ہو۔
- وہ حج جس میں کوئی ریا اور شہرت مقصود نہ ہو اور جس میں کوئی فسق و فجور نہ ہو۔
- وہ حج جس سے لوٹنے کے بعد گناہ کی تکرار نہ ہو اور نیکی کا رجحان بڑھ جائے۔
- وہ حج جس کے بعد آدمی دنیا سے بے رغبت ہوجائے اور آخرت کے سلسلہ میں دلچسپی دکھائے۔

حج مبرور کی فضیلت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"العُمْرَةُ إِلَى العُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالحَجُّ المَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الجَنَّةُ". (بخاری شریف، حدیث:۱۷۷۳، مسلم شریف، حدیث (۱۳۴۹)-۴۳۷) ترجمہ: ''ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک ان (گناہوں) کا کفارہ ہے، جو ان دونوں کے درمیان ہوئے ہوں، اور حج مبرور کا بدلہ صرف جنت ہے''۔

حج پچھلے سارے گناہوں کو مٹادیتا ہے

ابن شِماسہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب کہ وہ قریب المرگ تھے۔ وہ کافی دیر تک روئے، پھر انھوں نے اپنا چہرہ دیوار کی طرف کرلیا۔ اس پر ان کے صاحبزادے نے چند سوالات کیے۔ پھر انھوں نے (اپنے اسلام قبول کرنے کی کہانی سناتے ہوئے) فرمایا: جب اللہ نے میرے قلب کو نور ایمان سے منور کرنا چاہا؛ تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا داہنا دست مبارک پھیلائیں؛ تاکہ میں بیعت کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھیلایا۔ پھر میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو! تجھے کیا ہوا؟ میں نے کہا: میری ایک شرط ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری کیا شرط ہے؟ میں نے کہا: میری مغفرت کردی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ؟ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا؟ وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ"؟ (مسلم شریف، حدیث:۱۲۱-۱۹۲) ترجمہ: ''کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اسلام (قبول کرنا) پہلے (کے تمام گناہوں) کو مٹادیتا ہے؟ ہجرت گزشتہ گناہوں کو مٹادیتی ہے اور حج پہلے (کے کیے ہوئے گناہوں) کو مٹادیتا ہے''۔

ایک حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مَنْ حَجَّ لِلَّهِ فَلَمْ يَرْفُثْ، وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّه." (بخاری شریف، حدیث نمبر:۱۵۲۱) ترجمہ: ''جس شخص نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس نے (اس دوران) فحش کلامی یا جماع اور گناہ نہیں کیا؛ تو وہ (حج کے بعد گناہوں سے پاک ہوکر اپنے گھر اس طرح) لوٹا، جیسا کہ اس کی ماں نے اسے آج ہی جنا ہو''۔

"رفث" کا معنی جماع، ہم بستری اور جو کچھ بھی شوہر و بیوی کے درمیان حالت جماع میں ہوتا ہے، جیسے بوس وکنار وغیرہ کے ہیں۔ ابوعبیدہ نے فرمایا: "رفث" کا مطلب ''فحش کلامی''

ہے۔ پھر کنایۃ جماع اور متعلقات جماع کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ (الموسوعہ الفقہیہ الکویتیہ ۲۲/۲۷۵)

مسئلہ: حالت احرام میں جماع کرنا فقہاء کرام کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ''۔ (سورہ بقرہ، آیت: ۱۹۷) ترجمہ: ''سو جو شخص ان میں حج مقرر کرے، تو پھر نہ کوئی فحش بات ہے اور نہ کوئی بے حکمی ہے اور نہ کسی قسم کا نزاع زیبا ہے''۔

مسئلہ: اگر کسی نے حالت احرام میں عمداً (جان بوجھ کر) جماع کیا ہو؛ تو اس کا حج فاسد ہوجائے گا اور قضاء وکفارہ لازم ہوگا۔ اگر کسی نے حالت نسیان (بھول) میں جماع کیا ہو؛ تو حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس صورت میں بھی حج فاسد ہوجائے گا اور قضاء وکفارہ لازم ہوگا؛ لیکن شافعیہ کے نزدیک حج فاسد نہیں ہوگا؛ بل کہ صرف کفارہ لازم ہوگا۔ (الموسوعہ الفقہیہ الکویتیہ: ۲۲/۲۷۶-۲۷۷)

'' فِسُق'' سے مراد معاصی وگناہ ہے۔ ''كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ'' کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کسی گناہ کے بغیر، اس کا ظاہری مطلب صغائر وکبائر (چھوٹے اور بڑے): سارے گناہوں کا معاف کیا جانا ہے''۔ (فتح الباری ۳/۳۸۲-۳۸۳)

بوڑھے، کمزور اور عورت کا جہاد

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جِهَادُ الْكَبِيرِ وَالضَّعِيفِ وَالْمَرْأَةِ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ'' (السنن الکبری للنسائی، حدیث: ۳۵۹۲، مسند احمد، حدیث: ۹۴۵۹، السنن الکبری للبیہقی، حدیث: ۸۷۵۹) ترجمہ: ''بڑی عمر والے، کمزور شخص اور عورت کا جہاد: حج اور عمرہ ہے''۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَلَا نَغْزُو وَنُجَاهِدُ مَعَكُمْ؟ فَقَالَ: ''لَكِنَّ أَحْسَنَ الجِهَادِ وَأَجْمَلَهُ الحَجُّ، حَجٌّ مَبْرُورٌ''. فَقَالَتْ عَائِشَةُ ''فَلَا أَدَعُ الحَجَّ بَعْدَ إِذْ سَمِعْتُ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ''. (بخاری شریف، حدیث: ۱۸۶۱) ترجمہ: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد اور غزوہ میں شریک نہ ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لیکن سب

سے بہتر اور اچھا جہاد حج: حج مبرور ہے''۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے؛ تو اس کے بعد سے میں حج نہیں چھوڑتی ہوں''۔

حج افضل جہاد ہے

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کرتی ہیں کہ انھوں نے کہا: "يَا رَسُولَ اللَّهِ! نَرَى الجِهَادَ أَفْضَلَ العَمَلِ، أَفَلاَ نُجَاهِدُ؟ قَالَ: "لاَ، لَكِنَّ أَفْضَلَ الجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُورٌ". (بخاری شریف، حدیث:۱۵۲۰، السنن الکبری للبیہقی، حدیث:۱۷۸۰۵) ترجمہ: اے اللہ کے رسول! ہم جہاد کو افضل العمل سمجھتے ہیں، تو کیا ہم جہاد نہ کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں، لیکن بہترین جہاد حج مبرور ہے''۔

فقر اور گناہ کو مٹانے والے اعمال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "أَدِيمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ". (المعجم الاوسط، حدیث:۳۸۱۴) ترجمہ: ''حج اور عمرہ پر دوام برتو؛ کیوں کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو ختم کرتے ہیں، جیسا کہ دھونکنی لوہا سے زنگ کو دور کردیتی ہے''۔

ایک دوسری حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تَابِعُوا بَيْنَ الحَجِّ وَالعُمْرَةِ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الفَقْرَ وَالذُّنُوبَ كَمَا يَنْفِي الكِيرُ خَبَثَ الحَدِيدِ، وَالذَّهَبِ، وَالفِضَّةِ، وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ المَبْرُورَةِ ثَوَابٌ إِلَّا الجَنَّةُ''. (ترمذی شریف، حدیث نمبر: ۸۱۰) ترجمہ: ''حج اور عمرہ ایک ساتھ کیا کرو؛ کیوں کہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو مٹاتے ہیں جیسا کہ بھٹی لوہا، سونا اور چاندی سے زنگ ختم کردیتی ہے اور حج مبرور کا ثواب جنت ہی ہے''۔

برائے حج خرچ کرنے کی فضیلت

ابوزہیر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "النَّفَقَةُ فِي الْحَجِّ كَالنَّفَقَةِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِسَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ". (مسند احمد، حدیث:۲۳۰۰۰، شعب الایمان، حدیث:۳۸۲۹) ترجمہ: ''حج میں خرچ کرنا اللہ کے راستے

میں خرچ کرنے کی طرح، (جس کا ثواب) سات سو گنا تک ہے''۔

حاجیوں کی دعائیں

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "الْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ وَفْدُ اللّٰهِ تَعَالَى يُعْطِيهِمْ مَسْأَلَتَهُمْ، وَيَسْتَجِيبُ دُعَاءَهُمْ، وَيَقْبَلُ شَفَاعَتَهُمْ، وَيُضَاعِفُ لَهُمْ أَلْفَ أَلْفَ ضِعْفٍ". (اخبار مکۃ للفاکہی، حدیث:۹۰۲) ترجمہ: ''حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالی کے مہمان ہیں، اللہ تعالی ان کی مانگ ان کو عطا فرماتے ہیں، ان کی دعاؤں کو قبول کرتے ہیں، ان کی شفارش قبول کرتے ہیں اور ان کے لیے ہزار ہزار گنا تک ثواب بڑھایا جاتا ہے''۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "الْغَازِي فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ وَفْدُ اللّٰهِ، دَعَاهُمْ، فَأَجَابُوهُ، وَسَأَلُوهُ، فَأَعْطَاهُمْ". (ابن ماجہ، حدیث:۲۸۹۳) ترجمہ: اللہ کے راستے کا مجاہد اور حج وعمرہ کرنے والے اللہ کے مہمان ہیں۔ اللہ نے انھیں بلایا؛ لہٰذا انھوں نے اس پر لبیک کہا اور انھوں نے اللہ تعالیٰ سے مانگا ہے؛ تو اللہ نے ان کو نوازا ہے''۔

حج کرنے میں جلدی کیجیے

ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تَعَجَّلُوا إِلَى الْحَجِّ - يَعْنِي: الْفَرِيضَةَ - فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِي مَا يَعْرِضُ لَهُ". (مسند احمد، حدیث:۲۸۶۷) ترجمہ: ''حج یعنی فرض حج میں جلدی کرو؛ کیوں کہ تم میں کوئی یہ نہیں جانتا کہ اسے کیا عذر پیش آنے والا ہے''۔

حج نہ کرنے پر وعید

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلَى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوتَ يَهُودِيًّا، أَوْ نَصْرَانِيًّا، وَذَلِكَ أَنَّ اللّٰهَ يَقُولُ فِي كِتَابِهِ: "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا". (آل عمران:۹۷) (ترمذی شریف، حدیث نمبر:۸۱۲) ترجمہ: ''جو شخص اتنے توشہ اور سواری کا

مالک ہو جائے، جو اسے بیت اللہ تک پہنچادے، اس کے باوجود وہ حج نہ کرے؛ تو اس کے لیے کوئی ذمے داری نہیں ہے کہ وہ یہودی ہونے کی حالت میں مرے یا نصرانی، اور یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالی اپنی کتاب میں فرماتا ہے: ''اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا، اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی''۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَبْعَثَ رِجَالًا إِلَى هَذِهِ الْأَمْصَارِ، فَلْيَنْظُرُوا إِلَى كُلِّ رَجُلٍ ذِي جَدَةٍ لَمْ يَحُجَّ، فَيَضْرِبُوا عَلَيْهِمُ الْجِزْيَةَ، مَا هُمْ مُسْلِمِينَ، مَا هُمْ مُسْلِمِينَ". (السنۃ لابی بکر بن الخلال ۴۴/۵) ترجمہ: ''میں نے ارادہ کیا کہ کچھ لوگوں کو ان شہروں میں بھیجوں، پھر وہ ان لوگوں کی تحقیق کریں کہ جنھوں نے استطاعت کے باوجود حج نہیں کیا، پھر وہ ان لوگوں پر ٹیکس لاگو کریں؛ (کیوں کہ) وہ مسلمان نہیں ہیں، وہ مسلمان نہیں ہیں''۔

حرف آخر

حج کے اجر وثواب جو احادیث مبارکہ کی روشنی میں لکھے گئے ہیں، وہ کسی بھی مسلمان کو حج و عمرہ کا شوق دلانے کے لیے کافی ہیں۔ جن مسلمانوں کو اللہ تعالی نے مال و دولت سے نوازا ہے، ان کو چاہیے کہ خود کو حج وعمرہ کے عظیم ثواب سے محروم نہ کریں؛ کیوں کہ ہم ہمہ دم نیکیوں کے حصول اور گناہوں وسیئات سے مغفرت کے سخت محتاج ہیں۔ یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ ہماری زندگی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ یہ کاغذ کی ایک ناؤ ہے، جہاں تک پہنچ جائے غنیمت ہے۔ آپ کی یہ ڈیڑھ دن کی زندگی چلی گئی؛ تو پھر کبھی واپس نہیں آئے گی۔ پھر حج کرنے میں کیوں تاخیر!

❁ ❁ ❁

قربانی کا معنی ومفہوم اور مختصر تاریخ

از: مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
نگراں شعبۂ تخصص فی الفقہ جامعہ بنوری ٹاؤن

قربانی کی اِبتداء

حلال جانور کو بہ نیتِ تقرب ذبح کرنے کی تاریخ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل وقابیل کی قربانی سے ہی شروع ہوجاتی ہے، یہ سب سے پہلی قربانی تھی، حق تعالیٰ جلّ شانہٗ کا اِرشاد ہے: "وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ م اِذْقَرَّ بَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ"۔(۱)

ترجمہ:۔"اور آپ اہلِ کتاب کو آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ صحیح طور پر پڑھ کر سنادیجیے، جب ان میں سے ہر ایک نے اللہ کے لیے کچھ نیاز پیش کی تو ان میں سے ایک کی نیاز مقبول ہوگئی، اور دُوسرے کی قبول نہیں کی گئی"۔

علامہ اِبن کثیر رحمہ اللہ نے اِس آیت کے تحت حضرت اِبن عباس رَضی اللہ عنہ سے رِوایت نقل کی ہے کہ ہابیل نے مینڈھے کی قربانی کی اور قابیل نے کھیت کی پیداوار میں سے کچھ غلہ صدقہ کرکے قربانی پیش کی، اُس زمانے کے دستور کے موافق آسمانی آگ نازل ہوئی اور ہابیل کے مینڈھے کو کھالیا، قابیل کی قربانی کو چھوڑ دِیا۔(۲)

اِس سے معلوم ہوا کہ قربانی کا عبادت ہونا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہے اور اس کی حقیقت تقریباً ہر ملت میں رہی؛ البتہ اس کی خاص شان اور پہچان حضرت اِبراہیم وحضرت اِسماعیل علیہما السلام کے واقعہ سے ہوئی، اور اسی کی یادگار کے طور پر اُمتِ محمدیہ پر قربانی کو واجب قرار دیا گیا۔

قربانی کی حقیقت قرآنِ کریم کی روشنی میں

قرآنِ کریم میں تقریباً نصف درجن آیاتِ مبارکہ میں قربانی کی حقیقت، حکمت اور فضیلت

بیان کی گئی ہے۔سورۃ حج میں ہے:

۱-۲: وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ط كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ(۳۶) لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ط كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ ط وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ(۳۷)''۔(۳)

ترجمہ:۔''اور ہم نے تمہارے لیے قربانی کے اُونٹوں کو عبادتِ اِلٰہی کی نشانی اور یادگار مقرر کیا ہے،ان میں تمہارے لیے اور بھی فائدے ہیں،سوتم اُن کو نحر کرتے وقت قطار میں کھڑا کر کے اُن پر اللہ کا نام لیا کرو اور پھر جب وہ اپنے پہلو پر گر پڑیں تو اُن کے گوشت میں سے تم خود بھی کھانا چاہو تو کھاؤ اور فقیر کو بھی کھلاؤ،خواہ وہ صبر سے بیٹھنے والا ہو یا سوال کرتا پھرتا ہو،جس طرح ہم نے اِن جانوروں کی قربانی کا حال بیان کیا، اِسی طرح اُن کو تمہارا تابع دار بنایا؛ تاکہ تم شکر بجالاؤ! اللہ تعالیٰ کے پاس ان قربانیوں کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا؛ بلکہ اس کے پاس تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے لیے اِس طرح مسخر کر دیا ہے؛ تاکہ تم اس احسان پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کرو کہ اس نے تم کو قربانی کی صحیح راہ بتائی،اور اے پیغمبر! مخلصین کو خوش خبری سنا دیجیے''۔

سورۃ حج ہی میں دوسرے مقام پر اسے شعائر اللہ میں سے قرار دیتے ہوئے اس کی عظمت بتائی گئی اور قربانی کی تعظیم کو دل میں پائے جانے والے تقویٰ خداوندی کا مظہر قرار دیا ہے۔

۳:- ''وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ(۳۲)''۔(۴)

ترجمہ:''اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور یادگاروں کا پورا احترام قائم رکھے تو ان شعائر کا یہ احترام دِلوں کی پرہیزگاری سے ہوا کرتا ہے''۔

سابق انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں قربانی کا تسلسل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت تک پہنچتا ہے،جس کا طریقہ یہ تھا کہ قربانی ذبح کی جاتی اور وقت کے نبی علیہ السلام دُعا مانگتے اور آسمان سے خاص کیفیت کی آگ اُترتی اور اُسے کھا جاتی جسے قبولیت کی علامت سمجھا جاتا تھا، قرآنِ کریم میں ہے:

۴:-''اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ''۔(۵)

ترجمہ:۔’’یہ لوگ ایسے ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں حکم دے رکھا ہے کہ ہم کسی رسول کی اُس وقت تک تصدیق نہ کریں؛ جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے کہ اُس کو آگ کھا جائے‘‘۔

قربانی کی تاریخ پہلے اِنسان ہی سے شروع ہوجاتی ہے:

۵:-’’وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ م اِذْقَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ‘‘۔(۶)

ترجمہ:۔’’اورآپ اہل کتاب کوآدم کے دو بیٹوں کا واقعہ صحیح طور پر پڑھ کرسنا دیجئے، جب اُن میں سے ہرایک نے اللہ کے لیے کچھ نیاز پیش کی تو اُن میں سے ایک کی نیاز مقبول ہوگئی، اور دُوسرے کی قبول نہیں کی گئی‘‘۔

۶:- ’’قُلْ اِنَّ صَلَاتِىْ وَ نُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ(۱۶۲)‘‘(۷)

آیت بالا کے تحت امام جصاص رازیؒ لکھتے ہیں:

”ونسكى: الاضحية، لانها تسمى نسكاً، وكذلك كل ذبيحة على وجه القرابة إلى اللّٰه تعالىٰ فهى نسك، قال اللّٰه تعالى: ففدية من صيام و صدقة و نسك“۔(۸)

ترجمہ:۔’’نسك‘‘ سے مراد قربانی ہے؛اس لیے کہ اُس کا نام’’نسك‘‘ بھی ہے، اِسی طرح ہروہ جانور جو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے ذبح کیا جائے وہ’’نسك‘‘ کہلاتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ”فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ“۔(۹)

قربانی کے اس حکم کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور انداز سے نماز کے تتمے کے طور پر یوں ذِکر فرمایا’’فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ‘‘اِبن کثیر اِس آیت کے تحت رَقمطراز ہیں:

’’قال ابن عباس وعطاء ومجاهد وعكرمة والحسن: يعنى بذلك نحر البدن ونحوها، وكذا قال قتادة ومحمد بن كعب القرظى، والضحاك والربيع وعطاء الخراسانى والحكم وإسماعيل بن أبى خالد وغير واحد من السلف‘‘۔(۱۰)

’’حضرت اِبن عباس رَضی اللہ عنہما، حضرت عطاء، مجاہد، عکرمہ رحمہم اللہ سمیت متعدد مفسرین فرماتے ہیں کہ’’وانحر‘‘ سے اُونٹ کا’’نحر‘‘ ہی مطلوب ہے جو قربانی کے لیے جانے والے جانور میں سے بڑا جانور ہے‘‘۔

اِس سے فقہاء نے مسئلہ بھی اخذ فرمایا ہے کہ عید الاضحیٰ پڑھنے والے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ نماز عید پہلے ادا کرلیں، اس کے بعد قربانی کریں، جن لوگوں پر عید کی نماز فرض ہے، اگر انہوں نے عید سے پہلے قربانی کردی تو اُن کی قربانی نہیں ہوگی۔

۸:-''لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ. فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ(۲۸)''۔(۱۱)

ترجمہ:۔''تاکہ یہ سب آنے والے اپنے اپنے فائدوں کی غرض سے پہنچ جائیں اور تاکہ قربانی کے مقررہ دِنوں میں خدا کا نام لیں جو خدا نے ان کو عطاء کیے ہیں، سوائے اُمت محمدیہ! تم ان قربانیوں میں سے خود بھی کھانا چاہو تو کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ''۔

اِس آیت میں بھی قربانی ہی کا ذِکر ہے۔ ہر قوم میں نسک اور قربانی رکھی گئی، جس کا بنیادی مقصد خالق کائنات کی یاد، اس کے احکام کی بجا آوری اس جذبے کے ساتھ کہ یہ سب کچھ اللہ کی عطا اور دین ہے، یہاں بھی اِنسان کی قلبی کیفیت کا ایسا اِنقلاب مقصود ہے کہ وہ مال ومتاع کو اپنا نہ سمجھے؛ بلکہ دِل وجان سے اس عقیدے کی مشق کرے کہ حق تعالیٰ ہی اس کا حقیقی مالک ہے، گویا قربانی کا عمل فتنۂ مال سے حفاظت کا دَرس دیتا ہے۔

۹:-''وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ۔''(۱۲)

ترجمہ:۔''اور ہم نے ہر اُمت کے لیے اس غرض سے قربانی کرنا مقرر کیا تھا کہ وہ ان چوپایوں کی قسم کے مخصوص جانوروں کو قربان کرتے وَقت اللہ کا نام لیا کریں، جو اللہ نے ان کو عطا کیے تھے''۔

قربانی احادِیث مبارکہ کی روشنی میں

۱:-عن عائشة رضی الله عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ما عمل ابن آدم من عمل یوم النحر احب الی اللّٰه من اهراق الدم وانه اتی یوم القیامة بقرونها و اشعارها وظلافها و ان الدم لیقع من اللّٰه بمکان قبل ان یقع بالارض فطیبوا بها نفسا''۔(۱۳)

ترجمہ:۔''حضرت عائشہ رَضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اِبن آدم (اِنسان) نے قربانی کے دِن کوئی ایسا عمل نہیں کیا، جو اللہ کے نزدِیک خون بہانے

(یعنی قربانی کرنے) سے زیادہ پسندیدہ ہو، اور قیامت کے دِن وہ ذبح کیا ہوا جانور اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا، اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوجاتا ہے، لہٰذا تم اس کی وَجہ سے (قربانی کرکے) اپنے دِلوں کو خوش کرو''۔

۲:-عن زيد بن ارقم رضى الله عنه قال: قال أصحاب رسول اللّٰه: يا رسول اللّٰه! ما هذه الأضاحى؟ قال: سنة أبيكم إبراهيم عليه السلام، قالوا: فما لنا فيها يا رسول اللّٰه؟ قال: بكل شعرة حسنة، قالوا: فالصوف؟ يا رسول اللّٰه! قال: بكل شعرة من الصوف حسنة''۔(۱۴)

ترجمہ:۔''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ راوِی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رَضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے؟ فرمایا: تمہارے باپ اِبراہیم علیہ السلام کا طریقہ (یعنی اُن کی سنت) ہے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ پھر اس میں ہمارے لیے کیا (اجر وثواب) ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وَسلم نے فرمایا: (جانور کے) ہر بال کے بدلے ایک نیکی، اُنہوں نے عرض کیا کہ (دُنبہ وَغیرہ اگر ذبح کریں تو اُن کی) اُون (میں کیا ثواب ہے؟) فرمایا: کہ اُون کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی''۔

۳:-عن ابن عباس رضى الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فى يوم اضحىٰ: ما عمل آدمى فى هذا اليوم افضل من دم يهراق إلا أن يكون رحماً توصل''۔(۱۵)

ترجمہ:۔''حضرت اِبن عباسؓ سے رِوَایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم نے عیدالاضحیٰ کے دِن اِرشاد فرمایا: آج کے دِن کسی آدمی نے خون بہانے سے زیادہ افضل عمل نہیں کیا، ہاں! اگر کسی رِشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک اس سے بڑھ کر ہو تو ہو''۔

۴:-''عن أبى سعيد رضى الله عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يا فاطمة! قومى إلى أضحيتك فاشهديها، فإن لك بأول قطرة تقطر من دمها أن يغفرلك ما سلف من ذنوبك. قالت: يا رسول اللّٰه! ألنا خاصة أهلَ البيت أو لنا وللمسلمين؟ قال: بل لنا وللمسلمين''۔

ترجمہ:۔''حضرت ابوسعید رَضی اللہ عنہ سے رِوَایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی بیٹی حضرت سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا: اے فاطمہ! اُٹھو اور اپنی قربانی کے پاس رہو

(یعنی اپنی قربانی کے ذبح ہوتے وقت قریب موجود رہو) کیونکہ اس کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرنے کے ساتھ ہی تمہارے پچھلے تمام گناہ معاف ہوجائیں گے، حضرت فاطمہ رَضی اللہ عنہا نے عرض کیا! اللہ کے رسول! یہ فضیلت ہم اہل بیت کے ساتھ مخصوص ہے یا عام مسلمانوں کے لیے بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہمارے لیے بھی ہے اور تمام مسلمانوں کے لیے بھی"۔

۵:-"عن علیؓ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: یا فاطمة! قومی فاشهدی ضحیتك، فإن لك بأول قطرة تقطر من دمها مغفرة لكل ذنب، ما انه یجاء بلحمها ودمها توضع فی میزانك سبعین ضعفا۔ قال ابو سعید: یا رسول اللّٰہ! هذا لآل محمد خاصة، فانهم اهل لما خصوا به من الخیر، و للمسلمین عامة؟ قال: لآل محمد خاصة، وللمسلمین عامة"۔(۱۶)

ترجمہ:۔"حضرت علی رَضی اللہ عنہ سے رِوَایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم نے (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا: اے فاطمہ! اُٹھو اور اپنی قربانی کے پاس (ذبح کے وقت) موجود رہو؛ اِس لیے کہ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرنے کے ساتھ ہی تمہارے تمام گناہ معاف ہوجائیں گے، یہ قربانی کا جانور قیامت کے دِن اپنے گوشت اور خون کے ساتھ لایا جائے گا اور تمہارے ترازو میں ستر گنا (زیادہ) کر کے رَکھا جائے گا، حضرت ابوسعیدؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ فضیلت خاندانِ نبوت کے ساتھ خاص ہے جو کسی بھی خیر کے ساتھ مخصوص ہونے کے حق دار ہیں یا تمام مسلمانوں کے لیے ہے؟ فرمایا: یہ فضیلت آلِ محمد کے لیے خصوصاً اور عموماً تمام مسلمانوں کے لیے بھی ہے"۔

۶:-"عن علی رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: یا أیها الناس! ضحوا واحتسبوا بدمائها، فان الدم وإن وقع فی الأرض، فإنه یقع فی حرز اللّٰہ عز وجل۔"(۱۷)

ترجمہ:۔"حضرت علی رَضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! تم قربانی کرو اور ان قربانیوں کے خون پر اجر وثواب کی اُمید رَکھو؛ اِس لیے کہ (اُن کا) خون اگرچہ زمین پر گرتا ہے؛ لیکن وہ اللہ کے حفظ وامان میں چلا جاتا ہے"۔

۷:-"عن ابن عباسؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما انفقت الورق فی شیئٍ حب إلی اللّٰہ من نحر ینحر فی یوم عید"۔(۱۸)

ترجمہ:۔’’حضرت اِبن عباس رَضی اللہ عنہ سے رِوَایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم نے فرمایا: چاندی (یا کوئی بھی مال) کسی ایسی چیز میں خرچ نہیں کیا گیا جو اللہ کے نزدِیک اُس اُونٹ سے پسندیدہ ہو جو عید کے دِن ذبح کیا گیا‘‘۔

۸:-’’عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم من وجد سعة لان يضحی فلم يضح، فلايحضر مصلانا‘‘۔(۱۹)

ترجمہ:۔’’حضرت ابو ہریرہ رَضی اللہ عنہ سے رِوَایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قربانی کرنے کی گنجائش رَکھتا ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو وہ ہمارِی عیدگاہ میں نہ آئے‘‘۔

۹:-’’عن حسين بن علیؓ قال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم من ضحی طيبة نفسه محتسباً لاضحيته كانت له حجاباً من النار۔‘‘(۲۰)

ترجمہ:۔’’حضرت حسین بن علی رَضی اللہ عنہ سے مروِی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم نے فرمایا: جو شخص خوش دِلی کے ساتھ اجر وثواب کی اُمید رَکھتے ہوئے قربانی کرے گا تو وہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے رُکاوَٹ بن جائے گی‘‘۔

قربانی کا فلسفہ

’’والثانی: يوم ذبح ابراهيم ولده اسماعيل عليهما السلام، وانعام اللّٰه عليهما: بان فداه بذبح عظيم، اذ فيه تذكر حال ائمة الملة الحنيفية والاعتبار بهم فی بذل المهج، والاموال فی طاعة اللّٰه، وقوة الصبر، وفيه تشبه بالحاج، وتنويه بهم، وشوق لماهم فيه ولذلك سن التكبير‘‘۔(۲۱)

ترجمہ:۔’’اور دُوسرا (عید الاضحیٰ) وہ دِن ہے کہ جس میں حضرت اِبراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اِسماعیل علیہ السلام کے ذبح (کا اِرادہ کیا)، اور اللہ کا اُن پر اِنعام ہوا کہ حضرت اِسماعیل علیہ السلام کے بدلے عظیم ذبیحہ (جنتی مینڈھا) عطا فرمایا؛ اِس لیے کہ اس میں ملت اِبراہیمی کے ائمہ کے حالات کی یاد دِہانی ہے، اللہ کی اِطاعت میں اُن کے جان ومال کو خرچ کرنے اور اِنتہائی دَرجہ صبر کرنے کے وَاقعہ سے لوگوں کو عبرت دِلانا مقصود ہے، نیز اس میں حاجیوں کے ساتھ مشابہت ہے اور ان کی عظمت ہے اور جس کام میں وہ مشغول ہیں اُس میں اُن کو رَغبت دِلانا ہے، یہی وَجہ ہے کہ تکبیرات (تشریق) کو مسنون کیا گیا ہے‘‘۔

قربانی کی حقیقت

مندرجہ بالا آیات واحادِیث کی روشنی میں قربانی کی حقیقت معلوم ہوئی، اس کو مختصر الفاظ میں بیان کرنا چاہیں تو یوں کہا جاسکتا ہے:

۱:-قربانی سنت اِبراہیمی کی یادگار ہے۔

۲:-قربانی کی ایک صورَت ہے اور ایک رُوح ہے، صورَت تو جانور کا ذبح کرنا ہے، اور اس کی حقیقت اِیثارِ نفس کا جذبہ پیدا کرنا ہے اور تقرب اِلی اللہ ہے۔ (۲۲)

اصل میں قربانی کی حقیقت تو یہ تھی کہ عاشق خود اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے حضور پیش کرتا؛ مگر خدا تعالیٰ کی رحمت دیکھئے، ان کو یہ گوارا نہ ہوا؛ اِس لیے حکم دِیا کہ تم جانور کو ذبح کرو، ہم یہی سمجھیں گے کہ تم نے خود اپنے آپ کو قربان کر دِیا۔ اِس وَاقعہ (ذبح اِسماعیل علیہ السلام) سے معلوم ہوا کہ ذبح کا اصل مقصد جان کو پیش کرنا ہے؛ چنانچہ اس سے اِنسان میں جاں سپاری اور جاں نثاری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہی اس کی رُوح ہے تو یہ رُوح صدقہ سے کیسے حاصل ہوگی؟ کیونکہ قربانی کی رُوح تو جان دینا ہے اور صدقہ کی رُوح مال دینا ہے، نیز صدقہ کے لیے کوئی دِن مقرر نہیں؛ مگر اس کے لیے ایک خاص دِن مقرر کیا گیا ہے اور اس کا نام بھی یوم النحر اور یوم الاضحیٰ رکھا گیا ہے۔ (۲۳)

قربانی کی اصل حکمت وفلسفہ

حضرت شاہ وَلی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''والسر فی الهدی التشبة بفعل سیدنا إبراهیم علیه السلام فیما قصد من ذبح ولده فی ذلك المكان طاعةً لربه، وتوجهاً إلیه، والتذكر لنعمة اللّٰه به وبأبیهم إسماعیل علیه السلام، وفعل مثل هذا الفعل فی هذا الوقت والزمان ینبه والنفس ایّ تنبه. وإنما وجب علی المتمتع والقارن شكراً لنعمة اللّٰه حیث وضع عنهم أمر الجاهلیة فی تلك المسئلة۔'' (۲۴)

ترجمہ: ''(حج کے موقع پر) ہدی میں حکمت یہ ہے کہ اس میں حضرت اِبراہیم علیہ السلام کے ساتھ مشابہت ہے، اُنہوں نے اپنے رَب کے حکم بجا آوری اور اس کی طرف توجہ کی نیت سے اس جگہ اپنے بیٹے حضرت اِسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا چاہا تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت اِسماعیل علیہ السلام پر جو اِنعامات کیے ہیں، اُن کی یاد دہانی ہوتی ہے، اور حج تمتع وقران کرنے والے پر یہ ہدی واجب ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا ہو کہ اس نے معاملے میں

جاہلیت کے وبال کو دُور کر دِیا‘‘۔

قربانی کا حکم

قربانی کی دو قسمیں ہیں: ایک واجب، دوسری مستحب۔

اگر کوئی آدمی، عاقل، بالغ آزاد، مقیم، مسلمان اور مال دار ہو تو اس پر قربانی کرنا واجب ہے، اور قربانی نہ کرنے کی وجہ سے وہ گنہگار ہوگا۔

اگر کوئی مسلمان سفر میں ہو یا فقیر وغریب ہو یا محتاج ہو اور قربانی کرے تو یہ مستحب ہے۔

جس طرح زکوٰۃ صاحب نصاب مسلمان پر الگ الگ لازم ہوتی ہے، اِسی طرح قربانی بھی ہر صاحب نصاب پر الگ الگ لازم ہوگی؛ چنانچہ ایک قربانی ایک گھرانے کی طرف سے کافی ہونے کا خیال دُرست نہیں ہے اور ہر مال دَار مقیم مسلمان شخص پر قربانی اس کے اپنے نفس اور ذَات پر وَاجب ہوتی ہے؛ اِس لیے پورے گھر، خاندان یا کنبے کی طرف سے ایک آدمی کی قربانی کافی نہیں ہوگی؛ بلکہ ہر صاحب نصاب پر الگ الگ قربانی لازم ہوگی، ورنہ سب لوگ گنہگار رہوں گے، ہاں مردوں کے اِیصالِ ثواب کے لیے ایک قربانی کئی افراد کے ثواب کی نیت سے کرسکتے ہیں۔

مردوں کے اِیصالِ ثواب کے لیے یا زندہ لوگوں کو ثواب پہنچانے کے لیے قربانی کرنا جائز ہے، اگر کسی آدمی نے قربانی کی نذر مانی یا فقیر نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا تو اُن پر قربانی واجب ہے۔

وجوبِ قربانی کی شرائط

کسی شخص پر قربانی اُس وقت واجب ہوتی ہے، جب اس میں چھ شرائط پائی جائیں: اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو قربانی کا وجوب ساقط ہوجائے گا اور قربانی وَاجب نہ رہے گی۔

۱- عاقل ہونا، کسی پاگل، مجنون وَغیرہ پر قربانی وَاجب نہیں۔

۲- بالغ ہونا، نابالغ پر قربانی نہیں خواہ مال دَار ہی ہو، اگر کوئی ایامِ قربانی میں بالغ ہوا اور مال دار ہے تو اُس پر قربانی واجب ہے۔

۳- آزاد ہونا، غلام پر قربانی نہیں۔

۴- مقیم ہونا، مسافر پر قربانی وَاجب نہیں۔ ہاں! اگر مسافر مال دَار ہے اور قربانی کرتا ہے تو اس کو قربانی کرنے کا ثواب ضرور ملے گا۔

۵- مسلمان ہونا، غیر مسلم پر (خواہ کسی مذہب کا ہو) قربانی واجب نہیں۔ ہاں اگر کوئی غیر مسلم ایامِ قربانی میں مسلمان ہوگیا اور وہ صاحبِ نصاب ہوتو اُس پر بھی قربانی واجب ہے۔

۶- صاحب نصاب ہونا، لہٰذا فقیر پر قربانی واجب نہیں؛ لیکن اگر فقیر اپنی خوشی سے قربانی کرے تو اسے ثواب ملے گا۔ اگر کسی آدمی کے پاس نصاب کی مقدار رقم موجود ہو، مگر اُس پر اِتنا قرض ہو جو اگر وہ ادا کرے تو اس کو صاحب نصاب ہونے سے نکال دے، ایسے شخص پر قربانی واجب نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ ہر عاقل، بالغ، آزاد، مقیم، مسلمان اور صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے۔

وجوبِ قربانی کا نصاب

قربانی ہر اُس عاقل، بالغ، مقیم، مسلمان پر واجب ہوتی ہے جو نصاب کا مالک ہو یا اس کی ملکیت میں ضرورتِ اصلیہ سے زائد اِتنا سامان ہو جس کی مالیت نصاب تک پہنچتی ہو اور اس کے برابر ہو، نصاب سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس ساڑھے سات تولہ صرف سونا یا ساڑھے باوَن تولہ چاندی یا اُس کی قیمت کے برابر نقد رَقم ہو یا ضرورَتِ اصلیہ سے زائد اِتنا سامان ہو جس کی قیمت ساڑھے باوَن تولہ چاندی کے برابر ہو۔

وَاضح رہے کہ ضرورتِ اصلیہ سے مراد وہ ضرورت ہے جو اِنسان کی جان یا اس کی عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے ضروری ہو، اُس ضرورت کے پورا نہ ہونے کی صورت میں جان جانے یا ہتک آبرو کا اندیشہ ہو، مثلاً کھانا، پینا، رہائش کا مکان، پہننے کے کپڑے، اہل صنعت وحرفت کے اوزار، سفر کی گاڑی، سواری وَغیرہ، نیز اس کے لیے اُصول یہ ہے کہ جس پر صدقہ فطر واجب ہے اُس پر قربانی بھی واجب ہے یعنی نصاب کے مال کا تجارَت کے لیے ہونا یا اُس پر سال گزرنا ضروری نہیں؛ چونکہ نصاب کے لیے ضرورَتِ اصلیہ سے زائد مال کا اعتبار ہوتا ہے؛ اِس لیے یاد رکھنا چاہیے کہ بڑی بڑی دیگیں، بڑے فرش، شامیانے، ریڈیو، ٹیپ رِیکارڈر، عام رِیکارڈر، ٹیلی وِیژن، وِی سی آر یہ ضرورت میں دَاخل نہیں، اگر ان کی قیمتیں نصاب تک پہنچ جائیں تو بھی ایسے شخص پر قربانی واجب ہوگی۔

اگر کسی کے پاس مالِ تجارت، مثلاً: شیئرز، جیولری کا کام، فریج، گاڑیاں، پنکھے وَغیرہ کسی طرح کا مال ہو اور بقدرِ نصاب یا اس سے زیادَہ ہو تو اُس پر بھی قربانی وَاجب ہے۔ اگر کوئی فقیر آدمی قربانی کے ایام میں سے کسی دِن بھی صاحب نصاب ہوگیا تو اُس پر قربانی وَاجب ہوجائے گی۔ اگر کوئی صاحب نصاب کافر قربانی کے ایام میں مسلمان ہوجائے تو اُس پر قربانی لازم ہوگی۔

اگر عورت صاحب نصاب ہو تو اُس پر بھی قربانی وَاجب ہے، بیوی کی قربانی شوہر پر لازم نہیں، اگر بیوی کی اِجازت سے کرلے تو ہو جائے گی۔

بعض لوگ نام بدل کر قربانی کرتے رہتے ہیں، باوجود یہ کہ دونوں میاں بیوی صاحب نصاب ہوتے ہیں، مثلاً: ایک سال شوہر کے نام سے، دوسرے سال بیوی کے نام سے، تو اس سے قربانی ادا نہیں ہوتی؛ بلکہ ہر صاحب نصاب میاں، بیوی پر علیحدہ علیحدہ قربانی ہوتی ہے۔

اگر بیوی کا مہر مؤجل (یعنی اُدھار) ہے جو شوہر نے ابھی تک نہیں دِیا اور وہ نصاب کے برابر ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔ اور اگر مہر معجّل (یعنی فوری طور پر نقد) ہے اور نصاب کے برابر یا اُس سے زیادَہ ہے تو اس پر بھی قربانی وَاجب ہے۔ اگر مشترک کارُوبار کی مالیت تقسیم کے بعد ہر ایک کو بقدرِ نصاب یا اُس سے زائد پہنچتی ہو تو سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر کاشت کار، کسان کے پاس ہل چلانے اور دُوسری ضرورَت سے زائد اِتنے جانور ہوں جو بقدرِ نصاب ہوں تو اُس پر قربانی ہوگی اور اگر وہ جانور نصاب کی مقدار کے برابر نہ ہوں تو واجب نہ ہوگی۔ اگر کسی کے پاس کتب خانہ ہے اور مطالعہ کے لیے کتب رکھی ہیں تو اگر وہ خود تعلیم یافتہ نہیں اور کتابوں کی قیمت نصاب تک پہنچی ہوئی ہے تو اُس پر قربانی واجب ہے اور اگر صورَتِ مذکورَہ میں وہ تعلیم یافتہ ہے تو قربانی وَاجب نہیں ہوگی۔ ہر سرکارِی وغیر سرکارِی ملازم جس کی تنخواہ اِخراجات نکالنے کے بعد نصاب کے بقدر یا اس سے زائد بچ جائے تو اس پر قربانی واجب ہے۔

❁ ❁ ❁

حوالہ جات

(۱) المائدہ:۱۸۳ (۲) تفسیر ابن کثیر۲/۵۱۸، مکتبہ فاروقیہ پشاور (۳) الحج:۳۶۔۳۷ (۴) الحج:۳۲
(۵) آل عمران:۳۸۱ (۶) المائدۃ:۲۷ (۷) انعام:۱۶۲ (۸) البقرۃ:۱۹۶
(۹) احکام القرآن۳/۳۶ (۱۰) ابن کثیر،۶/۵۵۶، مکتبہ فاروقیہ پشاور (۱۱) الحج:۸۳ (۱۲) الحج:۳۴
(۱۳) مشکوٰۃ المصابیح (۱۴) مشکوٰۃ:۱۲۹ (۱۵) الترغیب والترہیب:۲/۷۷۲ (۱۶) الترغیب والترہیب:۲/۲۷۷۔۲۷۸
(۱۷) ایضاً:۲۷۸ (۱۸) ایضاً (۱۹) ایضاً (۲۰) ایضاً (۲۱) حجۃ اللہ البالغۃ:۲/۱۰۰
(۲۲) سنت حضرت خلیل، قاری طیبؒ ص:۹ (۲۳) ایضاً، ص:۱۶ (۲۴) حجۃ اللہ البالغۃ، ابواب الحج،۲/۶۸

❁ ❁ ❁

فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ کا تحقیقی جائزہ

(۲/۱)

از: مولانا محمد انس حسان
گورنمنٹ ڈگری کالج جہانیاں، پاکستان

''مآخذ'' سے وہ ذرائع مراد ہیں جن سے قانون اخذ کیا جاتا ہے، یا وہ مقامات ہیں جہاں سے قانون دلائل کے ساتھ حاصل کیے جاتے ہیں۔ قانون کی کتابوں میں ماخذ کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

❁ **ماخذ صوری:** قانون کا وہ ماخذ ہے جس کے ذریعے وہ اپنا جواز اور اثر حاصل کرتا ہے۔

❁ **ماخذ مادی:** قانون کا وہ ماخذ ہے جس سے قانون اپنا مواد حاصل کرتا ہے۔(۱)

اصول فقہ کی کتب میں عمومی طور پر فقہ اسلامی کے مآخذ چار بیان کیے جاتے ہیں:

❁ قرآن مجید ❁ سنت ❁ اجماع ❁ قیاس

صاحب نور الانوار کے نزدیک فقہ اسلامی کے بنیادی ماخذ تین ہیں:

الکتاب والسنة واجماع الامة (۲)

''کتاب (یعنی قرآن حکیم)، سنت اور امت کا اجماع (فقہ کے بنیادی ماخذ ہیں)''

نیز وہ قیاس کو ماخذ تو سمجھتے ہیں لیکن اس کو الگ ذکر کرتے ہیں اور فقہ کے بنیادی مآخذ میں اس کا شمار نہیں کرتے؛ اس لیے کہ ''قیاس'' ذریعہ اور آلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

مولانا محمد تقی امینی (۱۹۲۷ء ـ ۱۹۹۱ء) کے نزدیک فقہ اسلامی کے مادی مآخذ عمومی حیثیت سے بارہ ہیں:

❁ قرآن حکیم ❁ سنت ❁ اجماع ❁ قیاس ❁ استحسان ❁ استدلال ❁ استصلاح ❁ مسلّمہ شخصیتوں کی آراء ❁ تعامل ❁ عرف وعادت ❁ ماقبل کی شریعت ❁ ملکی قانون

مولانا امینی کے نزدیک اصولِ فقہ کی کتابوں میں صراحتاً صرف پہلے چار کا ذکر ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض ماخذ کو بعض میں داخل سمجھا گیا ہے۔ اور اختصار کے طور پر صرف چار کا ذکر کرکے ان کی تعبیر وتوجیہ اس طرح کی گئی ہے کہ ان کے عموم میں بقیہ داخل ہوجاتے ہیں، مثلاً

قیاس کے عموم میں استحسان، استصلاح وغیرہ داخل ہیں۔ اجماع میں تعامل اور عرف وعادت داخل ہیں۔ ماقبل کی شریعت قرآن یا حدیث کے عموم میں آتی ہے۔ ملکی قانون تعامل میں شمار ہوسکتا ہے۔ رائیں اگر قیاس پر مبنی ہیں تو ان کا شمار قیاس میں ہوگا ورنہ وہ سماع پر محمول حدیث کے ذیل میں آجائیں گی۔ استدلال بھی قیاس کے قریب ہے۔ (۳) ذیل میں فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید
(فقہ اسلامی کا پہلا ماخذ)

قرآن مجید فقہ اسلامی کا بنیادی ماخذ ہے۔ قرآن وہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل کی؛ چونکہ یہ سلسلۂ ہدایت کا آخری ایڈیشن ہے؛ اس لیے اس کی جملہ تعلیمات وتفہیمات کا ہر زمانہ میں یکسانیت کے ساتھ پایا جانا لازمی تھا۔ اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ تمام شعبہ ہائے زندگی کے حدود اربعہ بنا کر اس کے خطوط متعین کردیے جائیں۔ قرآن مجید مختصر ہونے کے باوجود جامع مانع ہے اور اس میں زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق واضح احکام موجود ہیں؛ لیکن ان احکامات کی حیثیت اصول کی ہے۔ قرآن نے ایسا نہیں کیا کہ ابتداء ہی سے احکامات سے متعلق تمام جزئیات بیان کردی ہوں؛ بلکہ اس میں تدریج کا طریقہ بروئے کار لایا گیا۔ اگر بالفرض ابتداء ہی میں ساری جزئیات بیان کردی جاتیں اور عملی شکل کے سارے خاکے تیار کردیے جاتے تو ایک تو اس کی دستوری پوزیشن باقی نہ رہتی، دوسری بڑی بات یہ ہوتی کہ اس کی دوامی اور عالمگیر حیثیت ختم ہوکر ساری تعلیم خاص زمانہ تک محدود ہوجاتی اور پھر اس میں جمود وتعطل پیدا ہوکر ارتقاء پذیر معاشرے کو سمونے اور اقتضاء ومصالح کو جذب کرنے کی ساری صلاحیت ختم ہوجاتیں (۴)

مثال کے طور پر قرآن مجید نے اس بات کی تو وضاحت کی ہے کہ حکومت اللہ کی نیابت و امانت ہوگی اور ہر مسلمان کے لیے شورائی بنیاد پر عدل وانصاف کے نظام کے قیام کو ممکن بنانا لازم ہوگا؛ لیکن یہ تفصیل نہیں بتائی کہ یہ نظام کس نوعیت کا ہوگا اور اس کی ہیئت ترکیبی کیا ہوگی؟ اسی طرح قرآن مجید نے ہر حرام اور حلال چیز کا فرداً فرداً ذکر نہیں کیا اور نہ ہی حیات انسانی سے متعلق ہر جزوی معاملہ کو موضوعِ بحث بنایا؛ بلکہ اصول متعین کردیے۔ اب ان متعین اصولوں سے مطلوبہ نتائج اخذ کرنا اور ان کی علت تلاش کرکے حالات وزمانہ کے مطابق ان کی عملی تطبیق

پیش کرنا اہل علم پر چھوڑ دیا۔ مولانا امینی اس حوالے سے اپنی ذاتی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''اس بارے میں فقہاء وصلحائے امت نے جزئیات کی تفاصیل بتا کر کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ سب اپنے اپنے زمانہ کے حالات کی مناسبت سے تھے اور آج بھی ہمیں حق ہے کہ ان جزئیات کی روشنی میں مقصد اور اصول کے پیش نظر اپنے زمانہ کے حالات وتقاضا کے مناسب طریقۂ کار کی جزئیات مرتب کریں۔ اس مرتب شدہ جزئیات کی حیثیت بھی پہلی جزئیات کی طرح قطعی اور دوامی نہ ہوگی؛ بلکہ معاشرہ کی حالت پر موقوف ہوگی اور اسی وقت تک باقی رہے گی؛ جب تک معاشرہ اجازت دے گا۔'' (۵)

فقہائے متاخرین میں سے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر باقاعدہ ایک کتاب لکھی ہے اور اس میں حالات وزمانہ کے مطابق فقہی جزئیات میں تبدیلی اور اس کی ضرورت پر بڑی جامع بحث فرمائی ہے۔ ذیل میں مولانا شامی رحمۃ اللہ علیہ کی اسی کتاب سے ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

''جاننا چاہیے کہ مسائلِ فقہ یا صریح نص سے ثابت ہوں گے (ان مسائل کو ہم نے پہلی فصل میں بیان کیا ہے) یا اجتہاد اور رائے سے ثابت ہوں گے۔ ان میں سے اکثر مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کو مجتہد نے اپنے زمانہ کے رواج کے موافق قائم کیا تھا۔ اس طرح کہ اگر وہ (دینی مجتہد) آج کے زمانہ میں موجود ہوتا تو اپنے ہی قول کے خلاف کہتا۔ اسی بنا پر اجتہاد کے شرائط میں لوگوں نے اس کو بھی شامل کیا ہے کہ مجتہد لوگوں کے رسم ورواج سے واقفیت رکھتا ہو؛ کیونکہ اکثر احکام زمانہ کے اختلاف سے بدل جاتے ہیں۔ بوجہ اس کے کہ رواج بدل گیا۔ یا کوئی نئی ضرورت پیدا ہوگئی یا زمانہ کے لوگ بدروش ہوگئے۔ اس صورت میں اگر وہ پہلا حکم باقی رہے تو اس سے لوگوں کو تکلیف اور ضرر پہنچے اور شریعت کے ان قواعد کی مخالفت زمانہ کے حالات کے موافق تھی؛ کیونکہ مشائخ کو یہ معلوم تھا کہ اگر آج خود مجتہد موجود ہوتا تو وہی کہتا جو انھوں کہا۔'' (۶)

بہرحال ان فقہی احکامات کی جزئیات مرتب کرنے اور جدید مسائل کی عصری تطبیق کے حوالے سے فقہ اسلامی کے پہلے ماخذ یعنی قرآنِ کریم نے سات چیزوں کو اپنا فقہی اصول قرار دیا ہے جن سے رہنمائی حاصل کرکے قرآنی منشاء کے مطابق ہر دور کے شرعی مسائل حل کیے جاسکتے

ہیں۔ یہ سات اصول درج ذیل ہیں:

❁عدم حرج ❁ قلت تکلیف ❁ تدریج ❁ نسخ ❁ شانِ نزول

❁حکمت وعلت ❁ عرب کی معاشرتی حالت

اگر عمومی طور پر قرآنِ کریم کا جائزہ لیا جائے تو اس میں امت اسلامیہ کی نفسیات اور طبعی میلانات کی رعایت اور لحاظ کرتے ہوئے درج ذیل احکامات کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

(۱) اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی ایسا حکم نہ دیا جائے جس میں ناقابلِ برداشت مشقت ہو۔

(۲) لوگوں کی رغبت اور میلان کے پیش نظر بعض ایسے احکام مقرر ہوئے جنہیں قومی عید کے طور پر منایا جائے اور ان میں جائز اور مباح حد تک خوشی منانے اور زیب وزینت کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

(۳) طاعات کی ادائیگی میں طبعی رغبت اور میلان کو ملحوظ رکھا گیا اور ان تمام محرکات و دواعی کی اجازت دی گئی جو اس میں مددگار ثابت ہوں؛ بشرطیکہ ان میں کوئی قباحت نہ ہو۔

(۴) طبعی طور پر جن چیزوں سے قباحت ہوتی ہے یا طبعیت بار محسوس کرتی ہے اس کو ناپسند کیا گیا۔

(۵) حق واستقامت پر قائم رہنے کے لیے تعلیم وتعلم، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو دوامی شکل دی گئی کہ طبیعت کو اسلامی مزاج کے مطابق ڈھالنے میں مدد ملتی ہے۔

(۶) بعض احکام کی ادائیگی میں عزیمت اور رخصت کے دو درجے مقرر کیے گئے؛ تاکہ انسان اپنی سہولت کے پیشِ نظر جس کو چاہے اختیار کرے۔

(۷) بعض احکام میں رسول اللہ ﷺ کے دو مختلف قسم کے عمل مذکور ہوئے اور حالات کے پیش نظر دونوں پر عمل کی گنجائش رکھی گئی۔

(۸) بعض برائیوں میں مادی نفع سے محروم کرنے کا حکم دیا گیا۔

احکام کے نفاذ میں تدریجی ارتقار کو ملحوظ رکھا گیا، یعنی نہ ایک ہی وقت میں سارے احکام مسلط کیے گئے اور نہ ہی ساری برائیوں سے روکا گیا۔

(۹) تعمیری اصلاحات میں قومی کردار کی پختگی اور خامی کی رعایت کی گئی۔

(۱۰) نیکی کے بہت سے کاموں کی پوری تفصیل بیان کی گئی۔ اس کو انسانوں کی سمجھ پر نہیں چھوڑا گیا، ورنہ بڑی دشواری پیش آتی۔

(۱۱) بعض احکام کے نفاذ میں حالات ومصالح کی رعایت کی گئی اور بعض میں اشخاص و مزاج کی۔(۷)

چنانچہ قرآنِ کریم جو کہ فقہ اسلامی کا بنیادی ماخذ ہے، اس سے ہمیں مندرجہ بالا اصولوں سے کافی رہنمائی ملتی ہے۔

سنت

(فقہ اسلامی کا دوسرا ماخذ)

فقہ اسلامی کا دوسرا ماخذ سنت ہے۔ سنت کے لغوی معنی راستہ اور طریقۂ عمل کے ہیں۔ اصطلاح میں سنت رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ صحابۂ کرامؓ کے اقوال وافعال بھی سنت میں داخل ہیں، جیسا کہ اصول کی کتابوں میں ذکر ملتا ہے۔

اَلسُّنَّةُ تُطْلَقُ عَلٰى قَوْلِ الرَّسُوْلِ وَ فِعْلِهٖ وَسُكُوْتِهٖ وَعَلٰى أَقْوَالِ الصَّحَابَةِ وَأَفْعَالِهِمْ.(۸)

''سنت کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور سکوت پر نیز صحابۂ کرامؓ کے اقوال و افعال پر ہوتا ہے۔''

صاحب کشف الاسرار لکھتے ہیں:

''سنت کا لفظ آں حضور ﷺ کے اقوال وافعال نیز طریقِ رسول وصحابہ کو شامل ہے۔''(۹)

ڈاکٹر محمود احمد غازی کے مطابق:

''ہر وہ چیز جو رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے نسبت رکھتی ہے، وہ حدیث ہے اور علم حدیث میں شامل ہے۔''(۱۰)

فقہ اسلامی کو سمجھنے اور مسائلِ حاضرہ کے استخراج کے حوالے سے سنت کو بنیادی ماخذ سمجھا جاتا ہے؛ چنانچہ علماء وفقہاء نے تدوینِ فقہ کے حوالے سے سنت کی درج ذیل معلومات کا ہونا ضروری قرار دیا ہے:

- ناسخ ومنسوخ
- مجمل ومفسر
- خاص وعام
- محکم ومتشابہہ
- احکامات کے درجے اور مراتب
- قرآن سے استدلال
- درایت وروایتِ حدیث کا علم

مولانا محمد تقی امینی رحمۃ اللہ علیہ سنت کے اس حصے کے بارے میں لکھتے ہیں، جس کا تعلق عام واقعات ومواعظ سے ہے:

''عام فقہاء کے خیال میں (کذا) قانون سازی کے لیے اس سے واقفیت ضروری نہیں

ہے؛ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اجتماعی زندگی کو سمجھنے اور اس حیثیت سے قانون کا مقام متعین کرنے، نیز قانون کو مؤثر بنانے میں اس سے بڑی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اگر اس کو نظر انداز کر کے قانون کی تدوین عمل میں لائی جائے تو اس میں خشکی اور کرختگی ہوگی اور جذب ومحبت کا عنصر کم ہوجائے گا جو اسلامی قانون کی جان ہے۔'' (۱۱)

اسی طرح سنت کی تشریحی وتوضیحی حیثیت کی مختلف صورتوں کے حوالے سے مولانا امینی کا حاصلِ مطالعہ درج ذیل ہے:

(۱) قرآن حکیم میں جو آیتیں مجمل تھیں رسول اللہ ﷺ نے ان کی تشریح فرمائی۔

(۲) جو مطلق تھیں، موقع اور عمل کے لحاظ سے انھیں مقید فرمایا۔

(۳) جو مشکل تھیں، ان کی تفسیر بیان فرمائی۔

(۴) جو قرآنی احکام مجمل تھے یعنی جن کے عمل کی کیفیت، اسباب وشرائط اور لوازم وغیرہ کی تفصیل نہ تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کی تفصیل بیان فرمائی؛ چنانچہ نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کی جو تفصیلات ''سنت'' میں مذکور ہیں، وہ سب قرآنِ حکیم کی شرح اور وضاحت ہیں۔

(۵) قرآنی توضیحات کی روشنی میں بہت سے پیش آمدہ واقعات کا حکم بیان فرمایا، مثلاً حلت وحرمت کے باب میں جو احکام مذکور تھے، ان پر مشتبہ اور مشکوک چیزوں کو قیاس کیا جن کی تصریح قرآن حکیم میں نہ تھی۔

(۶) قرآنی اصول ومقاصد کے پیش نظر وقت اور محل کی مناسبت سے وسائل وذرائع کا حکم بیان فرمایا۔

(۷) قرآنی تصریحات سے ایسے اصول مستنبط فرمائے جن سے نئے حالات ومسائل کو قیاس کرنے کی راہیں کھلیں۔

(۸) قرآنی احکام کے وجوہ واسباب اور حکمت ومصلحت بیان فرمائی جس سے بہت سے اصول وکلیات مستنبط ہوئے۔

(۹) قرآنی ہدایات سے الٰہی حکمت اخذ کی، اس کے مقاصد دریافت فرمائے، پھر اسی روشنی میں شریعت کو انسان کی عملی زندگی سے ہم آہنگ بنایا۔

(۱۰) بحیثیت مجموعی زندگی ایسی گذاری کہ قرآنی زندگی کے لیے وہ مکمل تفسیر بنی۔'' (۱۲)

ایک فقیہ کسی بھی شرعی مسئلہ کے استخراج کے لیے سب سے پہلے قرآن مجید کا مطالعہ کرتا ہے اور قرآن کی آیاتِ احکام پر جو کہ کم وبیش 500 کے قریب ہیں نظر دوڑاتا ہے، اگر اس مسئلہ کا حل

قرآنِ مجید کی کسی آیت سے معلوم نہیں ہوتا تو پھر سنت نبوی ﷺ میں اسے تلاش کرتا ہے؛ تاکہ مسئلہ واضح ہوجائے۔ سنت میں فقہی مسائل کے استخراج کی کئی مثالیں موجود ہیں:

(۱) قرآنِ کریم نے نماز، روزہ، زکوٰۃ، صدقات، حج اور اسی نوع کی دیگر عبادات کا حکم دیا ہے؛ لیکن چونکہ قرآنِ کریم کی مثال Text کی ہے اور اس کی شرح سنت سے معلوم ہوسکتی ہے تو اسی لیے ہمیں نماز کی ادائیگی، رکعت، وقت اور اسی طرح دیگر عبادات کی کافی حد تک تشریح سنت سے معلوم ہوگی؛ چنانچہ ان عبادات کی جزئیات تک رسائی سنت کا سہارا لیے بغیر ممکن نہیں۔

(۲) قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَيَحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتُ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ (۱۳) یعنی پاک چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں اور ناپاک چیزیں تمہارے لیے حرام ہیں۔ اب پاک وناپاک چیزوں کی وضاحت کیسے معلوم ہوگی تو اس کے لیے سنت سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ مثال کے طور پر نبی کریم ﷺ نے ہر اس جانور کا گوشت حرام قرار دیا جو شکار کرکے کھاتا ہے تو اس سے حرام جانور کا تعین ہوگیا۔ اس کے علاوہ جو پرندہ کسی جانور کا شکار کرکے کھائے اسے بھی حرام قرار دیا اور اسی طرح پاک چیزوں کی تعیین بھی کردی۔

(۳) سنت اگر موجود نہ ہو تو قرآنِ کریم کی بہت سی آیات کا معنی لغت یا کسی دوسرے ذریعہ سے معلوم نہیں ہوسکتا۔ قرآن کریم میں اعتکاف کا تذکرہ آیا ہے؛ لیکن اعتکاف سے کیا مراد ہے؟ عاکف کس کو کہتے ہیں؟ قرآنِ کریم میں اس طرح کے سیکڑوں احکامات موجود ہیں، جن کی تعبیر وتشریح کے لیے سنت کی تعبیر وتشریح سامنے ہونا ازحد ضروری ہے۔

(۴) قرآن کریم میں تیمّم کا ذکر آیا ہے؛ لیکن اس کی تفصیلات اور دیگر احکام کی فقہی تعبیر کے لیے سنت کا مطالعہ ضروری ہے۔

(۵) قرآن کریم کا اصول ہے: ﴿لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾ (۱۴)

یعنی ایک دوسرے کا مال غلط طریقہ سے مت کھاؤ ماسوائے اس صورت میں کہ آپس کی باہمی رضامندی سے تجارت اور لین دین ہو؛ چنانچہ اگر باہم رضامندی سے تجارت یا لین دین ہو تو وہ جائز ہے؛ لیکن اگر یہی عمل باطل طریقوں سے کیا جائے تو اس کی ممانعت کی گئی۔ اب یہ قرآن کا عام اصول ہے؛ لیکن اس کا انطباق کیسے ہوگا اور کن کن صورتوں میں ہوگا؟ اس حوالے سے بے شمار حدیثوں میں تشریحی نکات ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر حدیث میں اس بیع سے منع کیا گیا ہے، جس میں کوئی ''مال'' بیچنے والے کے قبضے میں نہ ہو؛ تاکہ فساد سے بچا جاسکے۔ (۱۵) چنانچہ اگر کوئی شخص

درخت پر لگے کچے پھل کی بیع کرتا ہے یا پانی میں موجود مچھلیوں کی بیع کرتا ہے تو چونکہ اس میں یہ ممکن ہے کہ جتنے میں بیع ہوئی مال اس سے زیادہ یا کم نکلے تو اس صورت میں جھگڑے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا اسلام نے ایسی بیع کی اجازت نہیں دی؛ حالانکہ ظاہراً یہ بھی ایک تجارت ہے۔

(۶) قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ﴾ (۱۶) یعنی دو بہنوں سے ایک وقت میں نکاح جائز نہیں ہے؛ لیکن حدیث نے اس کی مزید وضاحت کردی کہ پھوپھی اور بھتیجی سے بھی ایک وقت میں نکاح جائز نہیں؛ اسی طرح بھانجی اور خالہ سے بھی بیک وقت نکاح نہیں ہوسکتا۔

ان تمام مثالوں سے یہ سمجھنا کہ سنت کا کام محض یہی ہے کہ وہ قرآنی احکامات کی تشریح کردے تو یہ درست نہیں؛ بلکہ سنت کا کام براہِ راست احکام دینا بھی ہے اور اس پر عمل کرنا امت پر واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جائز و ناجائز کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جو ہمیں براہِ راست سنت سے معلوم ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر خیارِ شرط کی نبی کریم ﷺ نے اجازت دی۔ یعنی ایک شخص اگر کوئی چیز خریدتا ہے اور بیچنے والے سے یہ شرط رکھتا ہے کہ اگر مجھے یہ چیز پسند نہ آئی تو تین دن تک میں اس بیع سے رجوع کرسکتا ہوں۔ اب یہ حکم براہِ راست قرآن کریم میں موجود نہیں؛ لیکن یہ اسلامی اصولِ بیع کا حصہ ہے اور فقہ حنفی کے مطابق اس پر عمل لازم ہے۔ اسی طرح دیگر بہت سی مثالیں موجود ہیں جن سے سنت کا براہِ راست ماخذِ شریعت ہونا معلوم ہوتا ہے؛ چنانچہ اس سے کئی پیچیدگیوں سے چھٹکارا ملتا ہے اور کئی مشکلات آسان ہوجاتی ہیں۔

❁ ❁ ❁

حوالہ جات

(۱) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۵۷۔ (۲) سکروڈوی، جمیل احمد، قوت الاخیار شرح نور الانوار، ج ۱، ص ۴۳۔ (۳) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۵۸۔ (۴) ایضاً، ص ۶۱۔ (۵) ایضاً، ص ۶۲۔ (۶) شامی، علامہ، نشر العرف فی بناء بعض الاحکام العرف، ص ۱۸۔ (۷) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۹۳۔۹۲۔ (۸) ملا جیون، احمد بن سعید، نور الانوار بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۹۴۔ (۹) حنفی، عبدالعزیز، کشف الاسرار، ص ۳۵۹۔ (۱۰) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضراتِ فقہ، ص ۲۰۔ (۱۱) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۱۰۸۔ (۱۲) ایضاً، ص ۱۰۰۔۹۹۔ (۱۳) الاعراف، آیت ۱۵۷۔ (۱۴) النساء، آیت ۲۹۔ (۱۵) چنانچہ اس حوالہ سے بخاری شریف میں نبی کریم ﷺ کی حدیث بھی آئی ہے کہ: ''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کوئی شخص کسی قسم کا غلہ خریدے تو جب تک اس پر پوری طرح قبضہ نہ کرلے اسے نہ بیچے۔'' (۱۶) النساء، آیت ۲۳۔

❁ ❁ ❁

اسلام میں یتیم ونادار بچوں کی کفالت

از: مفتی محمد فیاض قاسمی
رہوا، رامپور، وارث نگر، سمستی پور

معاشرہ میں رہنے والے قبیلے، خاندان اور برادریاں گو بہ طور شناخت ایک دوسرے سے ممتاز ہوتی ہیں، ان کی رہائش، ان کا معاش اور ان کا تمدن جداگانہ ہوتا ہے؛ تاہم بحیثیت معاشرت سبھی ایک ہوتے ہیں۔ غم اور خوشی میں شریک ہونا ان کا اخلاقی فریضہ ہوتا ہے۔ حوادث زمانہ کے تھپیڑے کھائے ہوئے لوگوں کی دیکھ بھال اور ان کی ضروریات کی تکمیل کو وہ اپنی سماجی ذمہ داری سمجھتے ہیں اور کم وبیش سماج کے لوگ اس ذمہ داری کو اس لیے بھی نبھاتے ہیں کہ وہ ان کے لیے گراں بار نہیں ہوتے؛ لیکن آج کے دور کا سب سے بڑا مسئلہ سماج کے یتیم بچوں کی کفالت ہے۔ معاشرہ کے صاحب حیثیت اور متمول حضرات کے بھی قدم اس موڑ پر آکر رک جاتے ہیں؛ کیوں کہ ان کے سامنے یتیموں کا صرف پیٹ بھرنا ہی ایک ضرورت نہیں؛ بلکہ ان کی مکمل نگہداشت، تعلیم وتربیت اور ساری ضروریات کی تکمیل ایک لمبے عرصہ کی متقاضی ہوتی ہے۔ یہی سوچ کر گویا ہر ایک اپنے کو بری الذمہ قرار دیتا ہے، جس کے نتیجہ میں ان بچوں کی زندگیاں یوں ہی ضائع ہوجایا کرتی ہیں۔

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ اس میں ہر ایک کے حقوق کا خیال رکھا گیا ہے۔ اللہ پاک نے کسی کو بے یار ومددگار نہیں چھوڑا۔ ہر ایک کے لیے ایسے اسباب وذرائع مہیا کردیے ہیں کہ وہ آسانی کے ساتھ اللہ کی زمین پر رہ کر اپنی زندگی کے ایام گزار سکے۔ یتیم ونادار اور لاوارث بچوں کے بھی معاشرتی حقوق ہیں۔ ان کی مکمل کفالت ان کے حقوق کی پاسداری ہے اور اس سے منہ موڑ لینا ان کے حقوق کی پامالی ہے۔

یتیم ونادار بچوں کی دو حیثیتیں ہوسکتی ہیں: (۱) ان کے پاس مال ہو (۲) ان کے پاس مال تو نہ ہو لیکن ان کے عصبات، قریبی رشتہ دار یا ذوی الارحام میں سے کوئی موجود ہو۔ پہلی صورت میں

یعنی اگر ان کے پاس مال ہے، تو ان کی پرورش وکفالت ان کے مال ہی سے کی جائے گی؛ خواہ ان کا کفیل کوئی قریبی رشتہ دار یا ذوی الارحام یا کوئی غیر ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ پوری احتیاط کے ساتھ ان کا مال ان پر خرچ کرے اور ان کی تربیت وغیرہ کا بھی خاص خیال رکھے۔ قرآن کریم نے تاکید کی ہے کہ ان کا مال پوری ایمانداری کے ساتھ انھیں پر خرچ کرو، اپنی ذات میں ہرگز ان کا مال استعمال نہ کرو۔ "وَلاتَاکُلُوْا اَموالَھُم الٰی اَموالِکم اِنہٗ کانَ حُوباً کَبیراً (سورہ نسا آیت ۲) اور جب بالغ ہوکر سوجھ بوجھ والے ہوجائیں، نفع ونقصان کی تمیز ان کے اندر آجائے تو ان کا مال ان کے حوالہ کردو۔ "فِاِنْ اٰنَسْتُم مِنھُم رُشْداً فَادْفَعُوْا اِلَیْھِمْ اَمْوَالَھُمْ" (سورہ نسا آیت ۶)

دوسری صورت جب کہ ان کے پاس مال نہیں ہے؛ لیکن ان کے عصبات یا ذوی الارحام موجود ہیں، تو پھر ان کی پرورش وپرداخت کے ذمہ دار یہی حضرات ہوں گے؛ البتہ ان میں یہ ترتیب ہوگی کہ عصبات میں زیادہ حقدار وہ ہوں گے جو رشتہ میں زیادہ قریب ہوں گے اور اگر عصبات موجود نہ ہوں تو ذوی الارحام ان کی کفالت کریں گے اور ان میں بھی قریبی رشتہ داری کو ترجیح دی جائے گی۔ "واذلم یکن للحاضن احد ممن ذکر انتقلت الحضانة لذوی الارحام فی احد الوجھین وھو الاولیٰ، لان لھم رحماً وقرابةً یرثون بھا عند عدم من ھو اولیٰ، فیقدم ابوأم، ثم امھاته، ثم اخ من أم، ثم خال۔ (الموسوعۃ الفقہیہ ج ۱۷ص ۳۰۵) ہاں اگر عصبات اور ذوی الارحام میں سے کوئی موجود نہ ہو تو پھر حاکم وقت ان کو کسی مسلمان کے سپرد کردے گا؛ تاکہ وہ اس کی پرورش کرے۔ اور اس کا خرچ بیت المال برداشت کرے گا۔ "ثم حاکم یسلمه الی من یحضنه من المسلمین۔ (الموسوعۃ ج ۱۷ص ۳۰۵) البحر الرائق میں ہے کہ اگر والدین فقیر ہوں تو باپ لوگوں سے بھیک مانگ کر اپنے چھوٹے بچوں پر خرچ کرے گا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ باپ کو بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ ان بچوں کا نفقہ بیت المال کے ذمہ ہے۔ "ان کان فقیرین فعند الخصاف ان الاب یتکفف الناس وینفق علی اولاده الصغار، وقیل نفقتھم فی بیت المال۔ (البحر الرائق ج ۴ص ۲۰۱) معلوم ہوا کہ مذکورہ ترتیب کے اعتبار سے اگر ان لاوارثوں کی کفالت کے ذرائع موجود نہ ہوں تو ان کی کفالت بیت المال کے ذمہ ہے؛ لیکن ہندوستان جیسے ممالک میں بیت المال کی سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے ان کی کفالت کا مسئلہ قابل غور ہے۔ بیت المال کے بجائے شرعی تنظیمیں الحمدللہ ہندوستان کے طول وعرض میں کسی نہ کسی شکل میں امت کے مسائل پر نظر رکھ رہی ہیں اور مسلمان

اس امارت کے تابع ہوکر احکام شریعت پر عمل کرتے ہیں۔لہٰذا اس صورت میں شرعی امارتوں کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ ان یتیم بچوں کی کفالت کا انتظام کرے، خواہ اس کے لیے جو بھی مناسب شکل اختیار کرنی پڑے۔ مثال کے طور پر ان بچوں کو اپنی تنظیم کے تحت چل رہے کسی ہوسٹل و یتیم خانہ میں رکھ کر ان پر امت مسلمہ کی طرف سے آئی ہوئی مدات خرچ کرے۔ یا پھر جہاں وہ بچے ہیں وہیں کے کسی فرد مسلم کو متعین کردے کہ وہ ان کی دیکھ ریکھ اور پرورش کرے اور ان بچوں پر خرچ کرنے کے لیے ہفتہ، مہینہ یا سال کے اعتبار سے رقم اس شخص کو ادا کرے۔ غرض بیت المال نہ ہونے کی بنا پر شرعی تنظیمیں ان کا انتظام کریں گی۔

اور اگر شرعی تنظیمیں بھی نہ ہوں یا ان کی طرف سے اس طرح کا انتظام نہ ہوسکتا ہو، تو بھی ایسے بچوں کی کفالت خود اسی علاقہ کے مسلمانوں کے ذمہ ہوگی جہاں اس قسم کے یتیم و نادار بچے ہیں۔اللہ پاک نے فرمایا "من ذاالذی یقرض اللّٰہ قرضا حسناً فیضاعفه له اضعافا کثیراً (الاٰیة) کون ہے جو اللہ پاک کو بہترین قرض دے تاکہ اللہ اس کے لیے اسے اور بھی زیادہ بڑھا دے۔ یتیماً ذا مقربة (الاٰیه) ای قرابة کما ان الصدقة علی الیتیم الذی لاکافل له افضل من الصدقة علی الیتیم الذی یجد من یکفله۔ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج۲۰/۶۹) عن ابن عباس ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم انا وکافل الیتیم له ولغیره فی الجنة هکذا واشار بالسبابة والوسطی وفرج بینهما شیئاً۔ (بخاری جلد۲) ای ان الیتیم سواء کان الکافل من ذوی رحمه وانسابه او کان اجنبیاً لغیره یکفل به۔ (شرح الطیبی ج۱۰/ص۳۱۷۶۔ للشیخ شرف الدین الحسین بن عبداللہ بن محمد الطیبی۔ مطبع مکة المکرّمہ الریاض)

یہ ساری آیات واحادیث گرچہ یتیم کی کفالت کے سلسلہ میں ترغیب وفضائل کی ہیں؛ تاہم منجملہ ان سے یہ بات ضرور سمجھ میں آتی ہے کہ اس طرح کے نادار، لاوارث اور یتیم بچوں کی کفالت مسلمانوں کے ذمہ ہے۔ اور حسب سہولت علاقہ اور محلّہ کے افراد پر یہ ذمہ داری عائد ہوگی۔ ان بچوں کو یوں ہی ضائع ہونے نہیں دیا جائے گا۔ اگر کچھ لوگ اس ذمہ داری کو بہ طور کفایہ نبھالیتے ہیں، تو سب بری الذمہ ہوجائیں گے ورنہ سب کے سب مسئول ہوں گے۔

❁ ❁ ❁

رزق کی قدردانی

از: مولانا رفیع الدین حنیف قاسمی
وادی مصطفیٰ شاہین نگر، حیدرآباد

کھانے پینے کی اشیاء کے تعلق سے اس فراوانی اور بہتات کے دور میں اس کی ناقدری اور بے حرمتی ایک عام سی بات ہوگئی، بچے ہوئی کھانے کو محفوظ رکھ کر اس کے استعمال کو معیوب گردانا جاتا ہے؛ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مغرب کی اندھی تقلید نے جہاں اقدار کے بہت سارے پیمانے بدل دیے ہیں، اسی طرح کھانے کے بچانے اور اس کے پلیٹ میں رکھ چھوڑنے کو ایک مہذب عمل سمجھا جاتا ہے اور پلیٹ کی مکمل صفائی اور پلیٹ کے بقیہ ریزوں کے استعمال اور اس کے کھالینے کو حقیر تر باور کیا جاتا ہے اور خصوصاً شادی بیاہ کے موقع سے اسراف وفضول خرچی کے وہ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں اور رزق کی بے حرمتی کے وہ مناظر نگاہوں سے گذرتے ہیں کہ الامان والحفیظ، اسراف وفضول خرچی کا ایک طومار ہوتا ہے، مختلف کھانوں کی ڈشش نے تقاریب کے موقع سے رزق کی ناقدری کو بڑھاوا دیا ہے، مختلف نوع کے کھانے اور ہر ایک سے کچھ چکھ لینے کی نیت نہ جانے کس قدر رزق کی بے حرمتی اور اس کی ناقدری کی وجہ بنتی ہے، اگر ہم یہ ارادکرلیں کہ ہم رزق کی قدر کریں گے تو کتنے غریبوں کی بھوک علاج اور ان کے فاقوں کا مداوا ہوسکتا ہے، اور کتنے نانِ شبینہ کے محتاج اور سسکتے بلکتے اور فاقہ زدہ گھرانوں کی خوشیاں عود کر آسکتی ہے، انانیت اور شہرت اور جاہ کی طلب نے بالکل اندھا کردیا ہے، سوائے اپنے انا کی تسکین کے ہمیں کچھ دکھائی نہیں دیتا، لوگوں میں اپنی شان جتانے اور صرف ناک اونچی کرنے کی خاطر ہمیں زرق کی ناقدری اور بے حرمتی منظور ہے اور اللہ کے غضب کو دعوت دینا منظور ہے؛ لیکن اپنی شان نہ جائے، شخصیت پر آنچ نہ آئے۔

میری نگاہوں سے رزق کی قدردانی کے تعلق سے دو واقعات گذرے انھیں کی روشنی میں اس گناہِ عظیم اور ہمارے معاشرے کے اس عظیم روگ کے تعلق سے نشاندہی کرنا چاہتا ہوں، خدارا

ان واقعات کو عبرت کی نگاہ سے پڑھیے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی کتاب ذکر وفکر میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے:

ایک مرتبہ میرے والد ماجد حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ (جو میاں صاحب کے نام سے مشہور تھے) کے گھر ملاقات کے لیے گئے، کھانے کا وقت آگیا تو بیٹھک میں دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا گیا، کھانے سے فارغ ہونے پر والد صاحب دسترخوان سمیٹنے لگے؛ تاکہ اسے کہیں جھٹک آئیں، حضرت میاں صاحب نے پوچھا: ”یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ والد صاحب نے عرض کیا: حضرت دسترخون سمیٹ رہا ہوں؛ تاکہ اسے کسی مناسب جگہ پر جھٹک دوں، میاں صاحب بولے، کیا آپ کو دسترخوان سمیٹنا آتا ہے،؟ والد صاحب نے عرض کیا: کیا یہ بھی کوئی فن ہے؟ میاں صاحب نے جواب دیا: جی ہاں، یہ بھی ایک فن ہے اور اسی لیے میں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو یہ کام آتا ہے یا نہیں، والد صاحب نے درخواست کہ حضرت! پھر تو یہ فن ہمیں بھی سکھا دیجیے، میاں صاحب نے فرمایا کہ آیئے! میں آپ کو یہ فن سکھاؤں۔ یہ کہہ کر انہوں نے دسترخوان پر بچی ہوئی بوٹیاں الگ کیں، ہڈیوں کو الگ جمع کیا، روٹی کے جو بڑے ٹکڑے بچ گئے تھے، انھیں چن چن کر الگ اکٹھا کرلیا، پھر فرمایا کہ میں نے ان میں سے ہر چیز کو الگ جگہ مقرر کی ہوئی ہے، یہ بوٹیاں میں فلاں جگہ اٹھا کر رکھتا ہوں، وہاں روزانہ بلی آتی ہے اور یہ بوٹیاں کھالیتی ہے، ان ہڈیوں کی الگ جگہ مقرر ہے، کتے کو وہ جگہ معلوم ہے اور وہ وہاں آکر یہ ہڈیاں اٹھالیتا ہے، اور روٹی کے یہ ٹکڑے میں فلاں جگہ رکھتا ہوں، وہاں پرندے آتے ہیں اور یہ ٹکڑے ان کے کام آتے ہیں اور یہ جو روٹی کے بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں یہ میں چیونٹیوں کے کسی بل کے پاس رکھ دیتا ہوں اور یہ ان کی غذا بن جاتی ہے۔ اور پھر فرمایا: یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کا رزق ہیں، ان کا کوئی حصہ اپنے امکان کی حد تک ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ (مولانا محمد تقی عثمانی، ذکر وفکر: ۴۳)۔

اس وقت پیسوں اور مال ودولت کی فراوانی میں جو ہم رزق کے ضیاع اور بے حرمتی کے نقوش پیش کر رہے ہیں، کبھی خدانخواستہ احوال زمانہ ہمیں کنگال اور بالکل غریب اور نہتا اور مفلس نہ کردیں۔

ایک عربی ادیب محمد بن عبد العزیز نے رزق کی حرمت اور پاسداری کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے پڑوسی کو عصر کی نماز کے بعد کوڑے دان کے پاس اس میں سے کچھ لے کر اپنے گھر جاتے دیکھا، تو اس کو یہ اندیشہ ہوا کہ شاید یہ شخص محتاج اور نادار ہے اور مجھے اس کا پتہ بھی نہیں؛ چنانچہ میں نے اس سے ملاقات اور اس کے احوال کی جانکاری اور کوڑے دان سے

اسے کچھ اٹھاتے جو دیکھا تھا اس سے متعلق پوچھنے کا ارادہ کیا، جب میں اس سے ملاقات کے غرض سے اس کے پاس گیا تو وہ بہترین غنی اور مالداری کی حالت میں تھا، میں اس سے کوڑے دان سے کھانے اٹھانے کے متعلق پوچھا تو اس نے بتایا کہ میں نے کوڑے دان میں کھانے کے قابل کھانے کو پڑا دیکھا تو اس کے پھینکے ہونے سے اچھا نہیں لگا، میں نے اس کو لینے اور اس کے بجائے اس غلیظ جگہ میں پڑے رہنے کے اس کے اکرام میں بہتری سمجھا۔

اس نے بتایا کہ ایک دفعہ میں فاقہ کی شدید حالت سے گذرا، تب سے میں نے یہ عہد کیا ہے کہ میں کھانے اور رزق کی بے حرمتی نہیں کروں گا، میرے ساتھ قصہ کچھ یوں درپیش ہوا کہ مکہ میں مجھے ایک سال بالکل فاقے گذارنے پڑے، نہ میرے پاس کوئی پیسہ تھا اور نہ مجھے کوئی کام مل پا رہا تھا، میں صبح کام کی تلاش میں نکلتا اور رات میں کچھ کام نہ ملتا تو گھر آکر سو جاتا، میری بیوی اور بیٹی روزانہ اس انتظار میں ہوتیں کہ میں کچھ لے آؤں اور ان کی بھوک کا مداوا کروں، جب معاملہ حد سے گذرنے لگا اور تین دن فاقہ میں گذر گئے تو میں نے بھوک مٹانے کے خاطر اپنی حسین وجمیل اور اکلوتی بیٹی کو فروخت کرنے کا ارادہ کیا، اس کو بنا سنوار کر بازار لے گیا، ایک دیہاتی کی نظر لڑکی پر پڑی، اس نے لڑکی کو دیکھا تو اسے پسند آگئی، اس نے مجھ سے لڑکی کے تعلق سے بھاؤ تاؤ کیا، چاندی کے بارہ ریال پر راضی ہوگیا، جیسے ہی میں نے درہم اس کے ہاتھ سے لیے تو اس کو لے کر کھجور کے بازار کی جانب دوڑ پڑا، پیٹ بھرنے کے خاطر کھجور کی ایک زنبیل دو ریال کے عوض خریدی اور ایک قلی کو اس کے اٹھانے کے لیے خرید لیا، بھوک کی شدت کی وجہ سے مجھے اس کے اٹھانے کی طاقت نہ تھی، میں اس سے پہلے گھر پہنچ گیا، گھر پہنچنے پر پیچھے تو دیکھا تو قلی نظر نہیں آیا، میں اس کی تلاش میں نکل پڑا، پھر میں نے سوچا: میں بازار جا کر دوسری کھجور خرید لیتا ہوں میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو وہ بقیہ ریال بھی گم ہوگئے تھے، مجھ پر بہت زیادہ مایوسی اور غم طاری ہوگیا، میں نے حرم شریف میں جانے کا عزم کیا، جب میں مطاف میں پہنچا تو وہ دیہاتی میری لڑکی کے ساتھ نظر آیا، میرے دل میں خیال آیا کہ جب یہ مکہ سے نکلے گا تو وہاں کسی گھاٹی میں گھات لگا کر اسکا قتل کر کے اس سے اپنی لڑکی کو آزاد کرلوں گا، میں طواف کر رہا تھا تو وہ مجھے نظریں چرا کر دیکھنے لگا اس کی آنکھیں میری آنکھوں سے مل گئیں بتاؤ یہ لڑکی کون ہے؟ میں نے کہا: یہ میری باندی ہے، اس نے کہا: نہیں یہ تیری بیٹی ہے میں نے اس سے پوچھا ہے، اس لڑکی نے کہا یہ میرے والد ہیں، اس نے کہا: تم نے ایسا کیوں کیا، میں نے کہا: ہم تین دن سے فاقہ سے تھے، موت کے اندیشے اور ہم تینوں کی ہلاکت

کے خوف سے میں نے ایسا کیا، پھر میں نے لڑکی کی قیمت اور اس کے گم ہو جانے کے تعلق سے اس کو بتلایا کہ مجھ کو اس رقم سے کوئی نفع نہیں ہوا، تو اس دیہاتی نے کہا: اپنی لڑکی لے لو اور آئندہ ایسا نہ کرنا، اس نے ایک تھیلی نکالی جس میں تیس ریال تھے، اس میں سے تقسیم کر کے آدھے مجھے دیئے۔

میں بہت خوش ہوا، اس کے لیے اللہ سے دعا کی اور اس کے فضل واحسان پر اس کے گن گائے اور اپنی لڑکی کو لے کر کھجور خریدنے کے لیے بازار گیا تو مجھے وہ قلی نظر آیا، میں نے اس سے پوچھا: تم کہاں تھے؟ اس نے کہا: چچا جان آپ تو جلدی جلدی چل رہے تھے، مجھے تو راستہ ہی نظر نہ آیا، میں نے آپ کے تلاش کی بہت کوشش کی، تلاش بسیار کے بعد بازار واپس چلا آیا، میں نے کہا: وہ کھجور لے آؤ، جب ہم واپس ہو کر گھر میں داخل ہوئے اور برتن میں کھجور خالی کرنا چاہا تو وہیں مشک کے نیچے وہ درہم موجود تھے، میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور مجھے یہ علم ہو گیا کہ ہر تنگی کے بعد آسانی ہوتی ہے، پھر اس وقت سے یہ عزم کیا کہ ہمیشہ اللہ عزوجل کی نعمتوں اور اس کے رزق کی قدردانی کروں گا، کبھی بھی رزق کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھوں گا اور نہ اسے پھینکوں گا اور نہ کبھی کھانے کو کوڑے دان میں یا گندی میں پڑا رہنے دوں گا۔ (القصۃ القصیرۃ ودورھا فی نشر رسالۃ الاسلام، الدکتور محمد فضل اللہ شریف)

یہ واقعہ رزق کی قدردانی کے تعلق سے نہایت عبرت خیز ہے، رزق کی اہمیت کا اندازہ فاقہ اور بھوک کی شدت میں ہی لگایا جا سکتا ہے؛ اس لیے رزق کی بے حرمتی اور ناقدری سے بچیں، اس کے ذریعہ غریبوں، مسکینوں، اور بھوکوں کی بھوک مٹانے کا نظم کریں، شادی بیاہ، دعوتوں اور تقاریب کے موقع سے اور ہوٹلوں میں رزق کے ضیاع سے حفاظت کر کے ہزاروں بھوکے لوگوں کے پیٹ بھرے جا سکتے ہیں؛ اس لیے آج ضرورت اس بات کی محض اپنے شان رکھنے کے لیے کھانے کے ضیاع اور اللہ کی نعمت کی ناقدری کرنے والے نہ بنیں، اللہ کی ناراضگی اور اس کی نعمت کی ناقدری کہیں اس کے غضب کے نزول کا سبب نہ بن جائے اور ہم سے بھی اس نعمت کی ناقدری کی وجہ سے وہ نعمت چھن نہ جائے اور ہمیں بھی برے اور بھیانک احوال سے گذرنا نہ پڑے۔

❁ ❁ ❁

مدارس کا نظامِ تربیت

از: مولانا میرزاہد مکھیالوی
جامعہ فلاحِ دارین الاسلامیہ، بلاسپور، مظفرنگر

تعلیم کے ساتھ طلبہ کی دینی اور اخلاقی تربیت ایک ایسا بنیادی اور حساس موضوع ہے کہ جس کی اہمیت، ضرورت اور افادیت سے نہ صرف اہلِ علم کو بلکہ امت کے کسی باشعور فرد کو انکار نہیں ہوسکتا؛ بلکہ فتنوں کے ایسے دور میں جب کہ اخلاقیات میں زوال وانحطاط کے نت نئے ذرائع اور طریقے تیز رفتاری سے ایجاد ہوتے جارہے ہیں، پورا مسلم معاشرہ اس کی زد میں ہے، ایسے نازک وقت میں اپنے ماتحتوں کی اسلامی تربیت کی ذمہ داری یقیناً بڑھ جاتی ہے، مدارس کے طلبہ کے تعلیمی معیار کی بلندی اور ترقی کے لیے عموماً مختلف کوششیں اور طریقے اختیار کیے جاتے ہیں، ماہانہ، سہ ماہی تعلیمی جائزہ کا نظام بنایا جاتا ہے، مدرسوں کے بعض ذمہ دار اور تعلیمات کے نگراں اس سلسلہ میں فکرمند اور سنجیدہ ہوتے ہیں، ماہرینِ تعلیم علماء سے مشاورت کرتے ہیں، وغیرہ۔ کسی بھی ادارہ کے روشن مستقبل کے لیے بلاشبہ یہ واجبی درجہ کا عمل ہے؛ تاہم ان طلبہ کی اخلاقی تربیت کا نظام مقرر کرنا اور صرف زبانی یا کاغذی نہیں؛ بلکہ اس کو نافذ العمل کرنا یہ تعلیم سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور اس کے لیے باقاعدہ ''نظامِ تربیت'' کے شعبہ کا قیام ضروری ہے اور اس شعبہ کے فروغ وترقی کے لیے بھی ان تمام اُصولوں کو اختیار کرنا لازم سمجھا جائے جو معیارِ تعلیم کے تفوق وبہتری کے لیے عمل میں لائے جاتے ہیں۔

حضرت مفتی مہربان علی بڑودوی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں: ''مسلمان بچوں اور بچیوں کی دینی تعلیم وتربیت اور تادیب کا انتظام ہمیشہ کیا گیا ہے خلافتِ راشدہ میں خاص طور سے اس کا اہتمام کیا گیا اور اس کے لیے معلّم ومؤدِّب مقرر کیے گئے اور ان کو تنخواہ دی گئی؛ چنانچہ خاص مدینہ منورہ میں تین معلّم بچوں کو دینی تعلیم دیتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر ایک کو پندرہ درہم ماہوار تنخواہ دیتے تھے۔ (کنز العمال، ص۹۲، ج۲)

عہدِ سلف میں بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے ساتھ ان کو اسلامی اخلاق وآداب بھی سکھائے

جاتے تھے اور اس کے لیے مشاہیر محدثین وفقہا بڑے لوگوں کے گھروں پر رکھے جاتے تھے، اچھے اشعار، قرآن شریف، خوش خطی، تیراکی، تیراندازی، بزرگوں کے واقعات اور عام مسائل کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔ (کتاب المصون فی الادب ابوہلال عسکری ص ۱۲۶)

خلیفہ ہارون رشید نے اپنے صاحبزادے محمد الدین کو معلّم کے حوالہ کرتے ہوئے کہا: امیر المومنین تم کو اپنے دل کا ٹکڑا دے رہا ہے تم اس کو قرآن پڑھاؤ، اشعار اور اخبار کی روایت کرو اور سنن کی تعلیم دو، اس کو بات کرنے کے موقع ومحل سے واقف کراؤ، نامناسب وقت ہنسنے سے روکو اور بتاؤ کہ جب بنی ہاشم کے مشائخ کے پاس جائے تو ان کی تعظیم وتکریم کرے اور جب اس کی مجلس میں فوجی افسران آئیں تو ان کی نشست گاہ بلند رکھے، ہر وقت اس کو کوئی نہ کوئی کام کی بات بتاتے سکھاتے رہو۔ اس کو زیادہ کھیل کود کا موقع نہ دو، ورنہ وہ بیکاری کا عادی ہوجائے گا، جہاں تک ہوسکے اسے نرمی سے ٹھیک کرو، اگر وہ انکار کرے تو پھر سختی سے کام لو۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۴۷۸)

مورخِ اسلام حضرت قاضی اطہر مبارک پوریؒ فرماتے ہیں: اس دور میں عام طور سے بچوں کے معلّم کو مُؤدِّب (ادب سکھانے والا) کہا جاتا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم اور کتاب وغیرہ کے ساتھ اسلامی آداب واخلاق کی تعلیم پر خاص توجہ دی جاتی تھی اور بچہ مکتب سے نکلتا تھا تو بقدرِ کفایت دینی تعلیم کے ساتھ اسلامی تربیت سے بھی آراستہ ہوتا تھا، طبقاتِ رجال کی کتابوں میں بہت سے ائمہ اور علماء کے ذکر میں ''المؤدِّب'' کا لقب ملتا ہے، ایسے تمام حضرات اسلامی آداب بچوں کو سکھاتے تھے اور ان کو دینی تعلیم کے ساتھ دینی تربیت بھی دیتے تھے''۔ (تعلیم وتربیت، ص ۲۹ مفتی مہربان علی)

مدارس میں تربیت کی ضرورت

مدارس میں طلبہ کی تربیت کے متعلق حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ بہت حساس واقع ہوئے تھے؛ اس لیے حضرت کے کلام میں اس سلسلہ کے رہنما ارشادات اور ملفوظات بہ کثرت موجود ہیں؛ چنانچہ حضرت کی مشہور تصنیف ''آداب المعاشرت'' میں طالب علم کے آداب کا مفصل بیان ہے، ہم یہاں موضوع کی مناسبت سے چند ارشادات نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جس سے طلبہ کی تربیت کی اہمیت وضرورت پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱) ''طلبہ میں'' جس کے اخلاق خراب ہوں، اوّل اس کے اخلاق کی اصلاح کا اہتمام کیا جاوے، بات بات پر اس کو ٹوکا جاوے، اگر اصلاح کی اُمید نہ رہے تو مدرسے سے علیحدہ کیا جاوے۔

(۲) طلبہ کے تمام افعال کی نگہداشت کرو، لباس کی بھی دیکھ بھال رکھو، ان کو لباسِ اہل علم

کی ہدایت کرو، ورنہ مدرسے سے الگ کردو، صاف کہہ دو کہ اگر علم حاصل کرنا ہے تو طالب علموں کی سی صورت بناؤ، ورنہ رخصت ہوجاؤ۔

(۳) اہلِ مدارس دینیہ تو سادہ ہی وضع میں رہیں، یہی ان کی خوبی ہے، ان کی رفتار سے، گفتار سے، نشست سے، برخاست سے، ان کے لباس سے اسلامی شان کی جھلک معلوم ہوتی ہو۔

(۴) جس کو اپنی بات کی پچ کرنے کا مرض ہو، وہ ہرگز پڑھانے کے قابل نہیں۔

(۵) طلبہ کے لیے اخبار بینی کو سمِّ قاتل سمجھتا ہوں، اخبار دیکھنے والوں کو تو مدرسہ سے نکال دیتا ہوں۔

(۶) میں اس شخص کو مدرسہ میں رکھنا نہیں چاہتا جس سے دوسروں کو ایذا پہنچے۔

(۷) طالبِ علم کے لیے میل جول ''غیر ضروری فضول، خلط ملط'' اور تعلقات ''سمِّ قاتل'' اور ''مہلک زہر'' ہے۔

(۸) ہم تو علومِ درسیہ مروجہ مدارس عربیہ کو بھی جب کہ وہ صرف الفاظ کے درجہ میں ہو اور عمل ساتھ نہ ہو، علم نہیں کہتے۔

(۹) بہت سی کتابیں پڑھ لینے، ''پڑھا لینے'' کا نام دین نہیں ہے، دین میں اصلاحِ اخلاق کی اصلاح فرض ہے۔

(۱۰) بعض کہتے ہیں کہ لکھ پڑھ کر سب درست ہوجائیں گے (اس لیے زمانۂ طالب علمی میں اصلاح و درستی کی فکر کی ضرورت نہیں) اے نادانو! اس وقت تو اور بگڑ جائیں گے (چونکہ مخلّی بالطبع اور آزاد ہوں گے) اس وقت (طالب علمی میں) تو دوسروں کے ماتحت ہیں جب ابھی ٹھیک نہ ہوئے تو آئندہ مختار ہوکر کیا اُمید ہوسکتی ہے۔ اُس وقت تو کوئی یہ بھی نہ کہہ سکے گا کہ مولانا آپ سے یہ کوتاہی ہوئی یا آپ نے مسئلہ کے خلاف کیا--- درست ہونے کا تو یہ (طالب علمی کا) ہی وقت ہے۔

(۱۱) تربیت سے قطعِ نظر کرنے کی اور ضروری نہ سمجھنے کی تو کسی حال میں گنجائش نہیں، یہ کوتاہی ہے کہ بعض لوگ تعلیم کو تو ضروری سمجھتے ہیں؛ مگر تربیت کو ضروری نہیں سمجھتے؛ حالانکہ تربیت کی ضرورت تعلیم سے بھی ''زیادہ اور اہم'' ہے--- مطلق تعلیم سے اس لیے کہ مقصود تعلیم سے تربیت ہی ہوتی ہے؛ کیونکہ تعلیم علم دینا ہے اور تربیت عمل کرانا ہے اور علم سے مقصود عمل ہی ہے اور مقصود کا اہم ہونا ظاہر ہے--- اور تعلیم درسی سے تو ''مِنْ کُلِّ الْوُجُوْہِ'' اس لیے کہ یہ تعلیم فرضِ عین نہیں اور تربیت یعنی تہذیبِ نفس ہر شخص پر فرضِ عین ہے۔ (اصلاح انقلاب بحوالہ تعلیم و تربیت ص ۴۸ طبع قدیم)

❁ ❁ ❁

دارالعلوم دیوبند کا نیاز مندانہ سفر

(۲/۲)

از: مولانا عبدالرؤف غزنوی فاضل دارالعلوم دیوبند
استاذ: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہم کی خدمت میں حاضری اور ان کا ذکرِ خیر

جامع مسجد رشید میں نمازِ عشاء ادا کرنے کے بعد چونکہ یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا تھا اور نہ ہی مناسب تھا کہ حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہم شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند سے ملاقات کے لیے کل کا انتظار کروں، عشاء کی نماز کے بعد ہی حضرت کی خدمت میں ان کے ذاتی مکان پر (جو دارالعلوم سے آٹھ دس منٹ کے فاصلے پر اندرون کوٹلہ واقع ہے) حاضری دی، حضرت الاستاذ سے احقر کو بے انتہا محبت وعقیدت ہے؛ اس لیے کہ احقر نے اپنی تعلیمی زندگی میں سب سے زیادہ استفادہ ان ہی سے کیا ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جس سال (تعلیمی سال ۱۴۰۱ھ-۱۴۰۲ھ) احقر نے دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کیا، اس سال حضرت والا نے مندرجہ ذیل تمام کتابیں پڑھائیں:

بخاری شریف جلد ثانی، ترمذی شریف جلد اول، سنن ابوداؤد، صحیح مسلم (چند اسباق کے علاوہ)
مؤطا امام مالکؒ، مؤطا امام محمدؒ، شمائل ترمذی

اور اگلے سال جب احقر نے شعبۂ افتاء (تخصص فی الفقہ) میں داخلہ لیا تو اس سال بھی حضرت والا سے خارجی طور پر کافی استفادہ کیا اور سب سے بڑھ کر حضرت والا کی ایک خصوصی شفقت وعنایت یہ رہی کہ جب احقر کا مدرس کی حیثیت سے دارالعلوم میں تقرر ہوا اور ایک دو سال پڑھانے کے بعد شدت کے ساتھ یہ احساس ہونے لگا کہ کاش میں حافظ قرآن ہوتا! اس لیے کہ مدرس کے لیے حافظ قرآن ہونا نہایت اہم ہے اور ویسے بھی یہ ایک عظیم نعمت ہے جس سے میں محروم ہوں؛ چنانچہ حضرت والا ہی کے مشورہ سے تدریس کے ساتھ ساتھ حفظِ قرآن ان ہی کے

پاس شروع کیا اوران کی صحیح رہنمائی، فیض و برکت اور خصوصی عنایت سے تقریباً ایک سال کے اندر حفظِ قرآن مکمل ہوگیا، اس کے علاوہ جب تک دارالعلوم میں تدریس کا سلسلہ رہا تو قدم قدم پر ان کی رہنمائی وسرپرستی حاصل رہی، دارالعلوم سے کراچی منتقل ہونے کے بعد بھی آج تک ان سے علمی اور دیگر اہم ومشورہ طلب امور میں استفادہ کا سلسلہ ٹیلی فون، خط وکتابت اوران کی تصانیف کے ذریعہ قائم ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ایک حقیقی بیٹے کو اپنے مشفق والد کی طرف سے اس سے زیادہ شفقت کی سعادت حاصل نہیں رہی ہوگی جتنی شفقت سے حضرت الاستاذ نے اس نالائق شاگرد کو نوازا ہے اور آج تک نواز رہے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ بَارِكْ فِیْ حَیَاتِہٖ مَعَ الصِّحَۃِ وَالْعَافِیَۃِ.

حضرت مفتی صاحب مدظلہم العالی کا ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء کو دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہوا، انھوں نے دارالعلوم کی اس خدمت کو سعادت سمجھ کر اپنی تمام صلاحیتوں کو تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف اور اصلاحِ طلبہ پر لگایا، معاشی دشواریاں بھی پیش آئیں؛ لیکن انھوں نے صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرتے ہوئے اپنے علمی کاموں میں ان دشواریوں کو حائل نہیں ہونے دیا اور نہ ہی کسی غیر علمی مصروفیت کی طرف متوجہ ہوئے، مفتی صاحب کی خداداد صلاحیتوں، طلبہ میں بے پناہ مقبولیت اور علمی یکسوئی کو دیکھ کر مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے شیخ الحدیث وصدرالمدرسین کے باوقار واعلیٰ علمی منصب پر فائز کردیا۔

حضرت الاستاذ سے خصوصی اجازتِ حدیث کی درخواست

اس سے پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ احقر نے حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہم العالی کے پاس حدیث کی کئی اہم کتابیں پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے، مزید یہ بھی کہ دارالعلوم دیوبند سے احقر کی سندِ فراغت پر بھی آپ اور دیگر اساتذۂ کرام کے دستخط موجود ہیں جو اجازتِ حدیث کے لیے کافی ہیں؛ تاہم میری ایک قلبی خواہش ضرور تھی کہ حضرت الاستاذ ایک خصوصی مختصر اجازت نامہ تحریری طور پر مزید عنایت فرمادیں جس میں ان کی تمام مرویات کی اجازت شامل ہو؛ چنانچہ اس سفر میں ایک دن میں نے اس درخواست کی جسارت کر ہی دی، حضرت نے فرمایا کہ ضرور دیں گے، میرا خیال یہی تھا کہ حضرت الاستاذ سادہ کاغذ پر مختصر الفاظ میں تین چار سطر تحریر فرما کر عنایت فرمائیں گے اور وہی مختصر تحریر میرے لیے عظیم سعادت ہوگی؛ لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی؛ بلکہ میرا سر شرم سے جھک گیا؛ جب اگلے دن بعد العصر ان کی خدمت میں حاضری ہوئی تو معلوم ہوا کہ انھوں نے ایک مفصل اجازت نامہ تحریر فرما کر ایک خوبصورت کاغذ پر جس کے

حواشی پر رنگارنگ پھولوں کے نقوش چھپے ہوئے ہیں کاتب سے منتقل کروادیا ہے اور نیچے دستخط فرماکر اس کمترین شاگرد کو عنایت فرمائیں گے۔

اس اجازت نامہ میں حضرت الاستاذ (أمدَّ اللّٰهُ فِی عُمُرِہٖ وَصِحَّتِہٖ وَجُهُوْدِہٖ) نے اس حقیر خادم کا جس انداز پر ذکر فرمایا ہے، احقر اس کو اپنے لیے نیک فال ضرور سمجھتا ہے؛ لیکن اپنے آپ کو اس کا مستحق ہرگز نہیں سمجھتا؛ بلکہ یہ تصور کرتا ہے کہ حضرت والا نے اس انداز سے اپنے ایک ادنیٰ شاگرد کو آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتے ہوئے اس کی ہمت افزائی اور ذرّہ نوازی فرمائی ہے، حضرت والا نے جو اجازت نامہ تحریر فرمایا ہے، اس کا متن ان ہی کے الفاظ میں برکت کے لیے پیش کیا جارہا ہے:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

اجازة روایة کتب الحدیث

"الحمدللّٰہ الذی ھدانالدین الإسلام والاھتداء، والصلوة والسلام علیٰ خیر خلقه سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ وصحبه ذوی الدرایة والیقین، أما بعد:

فان تلمیذ الأمس زمیلَ الیوم، الأستاذ الأدیب الأریب، الشیخ المحدث، النبیه الکریم، العلامة حبیبی عبدالرؤوف خان الغزنوي الأفغاني مدرس الحدیث الشریف بالجامعة الاسلامیة بنوری تاؤن بکراتشي الباکستان قرأ علیّ عدیداً من الکتب الحدیثیة، کـ صحیح البخاري، وصحیح مسلم والجامع للامام الترمذي وغیرھا، وکان التصدی للاقراء ھوالاجازة، ولکنه استجاز مني أخریٰ، لحسن ظنه بي، ولست بأھل لذلك، فماکل بیضاء شحمة، ولاکل ذات ورم سمینة، ولکن حسن ظنه ھو غایة آمالي، فاقتداء بالسلف الصالح أجیزه بروایة جمیع الکتب الحدیثیة معروفة الأسانید لدی تلامیذي، مثل الصحیحین، والسنن الأربعة، وشرح معاني الآثار، والمؤطین للإمامین الھمامین: مالك ومحمد، ومسند الإمام الأعظم، ومسند الإمام أحمد بن حنبل رحمھم اللّٰہ، وأدعوا اللّٰہ تعالیٰ أن یوفقه ویرضی، ویذیقه حلاوة العلم والمعرفة والتحقیق، ویبلغه غایة مایتمناه، وأوصیه بتقوی اللّٰہ فی السر والعلن، وأن یتبع سنة سید المرسلین، وأرجو منه أن لاینساني في دعواته الصالحة، ویوفقني وایاه لمرضاته ولصالح الأعمال، فانه ولي التوفیق، والحمدللّٰہ رب العالمین، وصلی اللّٰہ علی سید الأنبیاء

والمرسلين وعلىٰ آله وصحبه أجمعين، آمين يارب العالمين".

أجازه العبدالفقير الحقير

سعيدأحمد البالن بورى

١٤٣٥/٧/١٠هـ=٢٠١٤/٥/١٠م

حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب کی خدمت میں حاضری اور ان کا ذکرِ خیر

دارالعلوم دیوبند میں احقر کے اساتذۂ کرام میں سے تین حضرات بقید حیات ہیں (اللّٰهم بارك في حياتهم وصحتهم وجهودهم) ایک حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم جن کا تذکرۂ خیر ہو چکا ہے، دوسرے حضرت الاستاذ مولانا قمرالدین صاحب مدظلہم العالی جن کا ذکر خیر آرہا ہے اور تیسرے حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب بجنوری زید مجدہم ہیں۔

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری سے احقر نے سنن ابن ماجہ کا سبق پڑھا ہے، اللہ نے ان کو گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا ہے، تقویٰ وطہارت کے ساتھ ساتھ ذہانت وفطانت، فصاحت وبلاغت، شعر گوئی وبذلہ سنجی اور معاملہ فہمی وحاضر جوابی میں ثانی نہیں رکھتے، تدریس کے دوران مختصر؛ مگر جامع ونہایت سہل انداز میں موضوع پیش کرنے کا ملکہ رکھتے ہیں، مضمون نگاری وتصنیف وتألیف کے میدان میں بھی قدرت نے ان کو خوب صلاحیت عطا کی ہے۔ ۱۳۹۱ھ کو دارالعلوم دیوبند میں مدرس کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا اور ابتدائی درجات سے لے کر دورۂ حدیث وتکمیلات تک کی کتابیں کامیابی کے ساتھ پڑھائیں، آج کل دورۂ حدیث کی ایک اہم کتاب ترمذی شریف جلد اول پڑھا رہے ہیں، دارالعلوم دیوبند کا مشہور ومعروف ترانہ (یہ علم وہنر کا گہوارہ....) آپ ہی کی تخلیق اور آپ ہی کی پاکیزہ شاعری کا ترجمان ہے جسے سن کر دلوں پر رقت طاری ہوتی ہے اور آنکھوں کو آنسو بہائے بغیر چین نہیں آتا، ''نغمۂ سحر'' کے نام سے آپ کے اشعار کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔

تصنیف وتالیف کے میدان میں آپ کی ایک شاہکار تصنیف ''شوریٰ کی شرعی حیثیت'' ہے جو اپنے موضوع پر ایک مفصل ومدلل کتاب ہے، یہ کتاب مجلس شوریٰ اور مہتمم کی باہمی حیثیت سے متعلق لکھی گئی ہے اور نصوصِ شرعیہ اور اسلافِ امت واکابرین دارالعلوم دیوبند کی تصریحات کی روشنی میں شوریٰ کی بالادستی، مہتمم کو اس کے سامنے جواب دہ ہونا اور مجلس شوریٰ کا مہتمم کے نصب وعزل کا مختار ہونا ثابت کیا گیا ہے، یہ کتاب ۱۴۰۸ھ کو پہلی بار ۴۰۸ صفحات پر مشتمل ''شیخ الہند

اکیڈمی دارالعلوم دیوبند‘‘ کی طرف سے شائع ہوئی اوراس کوعلمی حلقوں میں بڑی پذیرائی وشہرت ملی، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ، حضرت مولانا معراج الحق صاحب صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند رحمہ اللہ، حضرت مولانا نصیراحمد خان صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند رحمہ اللہ، حضرت مفتی سعیداحمد صاحب پالن پوری موجودہ صدرالمدرسین وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند مدظلہم اورمشہور مصنف حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارک پوری نگران اعزازی ’’شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند‘‘ رحمہ اللہ ان تمام اکابر نے اس کتاب پراعتماد کا اظہار فرماتے ہوئے اس پر تصدیقات ثبت فرمائی ہیں۔

میدانِ تصنیف وتالیف میں ان کا دوسرا عظیم کارنامہ ’’ایضاح البخاری‘‘ شرح صحیح بخاری ہے جس میں انھوں نے اپنے استاذِ محترم فخرالاسلام حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند (متوفی ۱۳۹۲ھ) رحمہ اللہ کے افادات کو اپنی مزید تحقیق، حسنِ ترتیب اورحوالوں کی نشاندہی کے ساتھ جمع فرمایا ہے اوراب تک اس کی آٹھ جلدیں (کتاب الوحی سے کتاب الاعتکاف کے اختتام تک) شائع ہوچکی ہیں اور آگے کا کام جاری ہے، اللہ تعالیٰ اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطافرمائے۔

مذکورہ تمام کمالات کے ساتھ ساتھ حضرت الاستاذ کا ایک امتیازی اورخصوصی کمال ان کی حقیقی تواضع اور بے پناہ خاکساری ہے جس سے احقر بے حد متاثر ہوا ہے؛ اس لیے کہ ظاہری تواضع کی مثالیں تو کافی ملتی ہیں؛ لیکن حقیقی تواضع اوروہ بھی صاحبِ کمال بلکہ مجمع الکمالات شخص کے اندر پایا جانا بہت مشکل ہے۔ رواں ہجری صدی کے شروع میں جب راقم داخلہ کی غرض سے دارالعلوم دیوبند پہنچا اورحضرت والا سے پڑھنے کا موقع نصیب ہوا، اورساتھ ساتھ آپ کو بحیثیت ناظمِ تعلیمات بھی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، اوردارالعلوم دیوبند سے میری جدائی کے بعد بھی آپ سے تعلق قائم رہا جو آج تک بحمداللہ باقی ہے، اس طویل واقفیت کے بعد میں شرح صدر کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ تواضع کے جس مقام پر وہ فائز ہیں، وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

حضرت الاستاذ مولانا قمرالدین صاحب زیدمجدہم کی خدمت میں حاضری

اس سفر میں اللہ کے فضل وکرم سے اپنے استاذ محترم حضرت مولانا علامہ قمرالدین احمد صاحب گورکھپوری دامت برکاتہم العالیہ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں بھی حاضری ہوئی اوران کی نصیحتوں اور قیمتی ملفوظات سے استفادہ کا موقع نصیب ہوا، آپ نے بہت ہی

شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے ہوئے اپنے ملفوظات ومجالس کا مجموعہ ''جواہراتِ قمر'' عنایت فرمایا، اور چائے وپھل فروٹ سے بھی احقر کا اکرام فرمایا، احقر نے ان سے حدیث کی دو کتابیں (شرح معانی الآثار اور سنن نسائی) پڑھی ہیں۔

حضرت الاستاذ دارالعلوم کے قدیم ترین استادوں میں سے ہیں، دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر ۱۳۸۶ھ کو حضرت مولانا علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی (متوفّٰی ۱۳۸۷ھ) قدس سرہٗ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کے توسط سے عمل میں آیا، اس وقت سے آج تک پوری نصف صدی گزر چکی ہے کہ آپ دارالعلوم میں پڑھا رہے ہیں، ابتداء سے لیکر دورۂ حدیث وتکمیلات تک ہر فن پڑھا چکے ہیں اور ہر فن پر عبور رکھتے ہیں، اپنے مخدوم واستاد محترم امام المعقولات حضرت علامہ بلیاوی قدس سرہٗ کی خدمت وصحبت کی برکت سے فن معقولات میں آپ کو خصوصی ملکہ حاصل ہے، آج کل دورۂ حدیث میں صحیح مسلم شریف پڑھا رہے ہیں۔

حضرت الاستاذ پڑھانے کے ساتھ ساتھ طلبہ کی تربیت واصلاح پر بھی خصوصی توجہ دیتے ہیں، اس مقصد کے تحت دورانِ تدریس علمی تحقیقات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ طلبہ کو ہدایات وتعلیماتِ نبویہ پر عمل کرنے کی ترغیب اور اس سلسلہ میں اکابرین کے واقعات بیان کرنا آپ کا معمول ہے، بعد العصر آپ کی رہائش گاہ کے قریب واقع مسجدِ طیّب میں سالوں سے آپ کی اصلاحی مجالس کا سلسلہ قائم ہے جس سے طلبہ اور عام نمازیوں کو استفادہ کرنے کا موقع مل جاتا ہے، بیعت وسلوک کے میدان میں آپ کو اپنے استاد ومخدوم حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئی علیہ الرحمۃ سے اجازت وخلافت حاصل ہے۔

حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم واستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند سے بھی اس سفر میں متعدد نیاز مندانہ ملاقاتیں ہوئیں اور انھوں نے بھی احقر کو اکرام سے نوازا، جس زمانہ میں احقر دارالعلوم میں مقیم تھا اس وقت دارالعلوم کی تدریس یا انتظام سے مفتی صاحب کی وابستگی نہیں تھی؛ البتہ حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ صدر مفتی دارالعلوم دیوبند سے چونکہ ان کا اصلاحی تعلق تھا (اس وقت حضرت فقیہ الامت کے اجل خلفاء میں ان کو شمار کیا جاتا ہے) اور ان کی خدمت میں وقتاً فوقتاً دیوبند حاضری دیتے رہتے تھے اور احقر کا بھی حضرت فقیہ الامت قدس سرہٗ سے اصلاحی تعلق قائم ہوگیا تھا اور ان کی مجلسوں میں حسبِ توفیق شریک ہوا کرتا

تھا اس دوران مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب سے بھی ملاقات ہوجایا کرتی تھی۔

دارالعلوم کے دیگر مشایخ کرام سے ملاقاتیں

اپنے اساتذۂ کرام اور حضرت مہتمم صاحب کے علاوہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی، حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی، حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی (نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی (مدیر ماہنامہ دارالعلوم)، حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری، حضرت مولانا محمد امین صاحب پالن پوری اور حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب بستوی دامت برکاتہم العالیہ (اساتذۂ حدیث دارالعلوم دیوبند) سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا، مذکورہ تمام حضرات اس زمانہ سے دارالعلوم میں پڑھا رہے ہیں جس زمانہ میں راقم الحروف بھی دارالعلوم کے خادموں میں سے ایک خادمِ تدریس کی حیثیت سے وہاں کام کررہا تھا، ان تمام حضرات کی عظمت وفضیلت کا اس وقت بھی قائل تھا اور آج بھی ہوں؛ البتہ اُن سے پڑھنے کی سعادت میسر نہیں ہوسکی ہے، میری خوش قسمتی ہے کہ اس سفر میں ان تمام حضرات سے خوشگوار ماحول میں ملاقاتیں ہوئیں، اور ماضی کی دلچسپ یادوں کو تازہ کیا اور انھوں نے احقر کی ذرہ نوازی واکرام بھی فرمایا۔

جناب مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب سے ملاقات

اپنی مادرِ علمی کے اس سفر کے دوران جناب مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب زید مجدہم استاذ ادب عربی ومدیر مجلّہ عربی ''الداعي'' دارالعلوم دیوبند سے ان کے گھر پر ملاقات کی سعادت حاصل کی، جہاں موصوف نے اپنے نفیس دسترخوان پر چائے ودیگر لوازمات سے احقر کا اکرام کیا، مولانا کا تقرر دارالعلوم میں ماہِ شوال ۱۴۰۲ھ کو بحیثیت استاذ ادب عربی ومدیر جریدہ عربی ''الداعي'' ان کے استاد ومربی حضرت مولانا وحیدالزمان صاحب کیرانوی (متوفی ۱۴۱۵ھ) رحمہ اللہ سابق استاد ومعاون مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تحریک پر ہوا، احقر اس وقت تخصص فی الفقہ (شعبۂ افتاء) کا طالب علم تھا اور چند ہی مہینے بعد ماہِ صفر ۱۴۰۳ھ کو دارالعلوم میں مدرس کی حیثیت سے احقر کا تقرر بھی عمل میں آیا، اس وقت سے جناب مولانا نور عالم صاحب کو جانتا ہوں۔

میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مولانا نور عالم صاحب نے اپنے مربی حضرت مولانا وحیدالزمان صاحب قدس سرہٗ کی تمنا کے مطابق؛ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر عربی ادب کے میدان میں خدمت انجام دی، ایک طرف انھوں نے ایسے لائق وفائق شاگرد تیار کردیے جنھوں نے دارالعلوم سے فراغت کے بعد پورے ملک وبیرونِ ملک کے تعلیمی اداروں میں عربی ادب

وعربی زبان کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے خوب کام کیا، اور دوسری طرف سے مولانا نے عربی مجلّہ ''الداعي'' کو بامِ عروج پر پہنچایا۔

اپنے ہم عصر اور دوست اساتذہ سے ملاقاتیں

اپنی زندگی کے اس ناقابلِ فراموش سفر میں جہاں اپنے اساتذۂ کرام اور دیگر مشائخِ عظام کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا وہاں اپنے ان ہم عصر اور دوست اساتذہ کا دیدار اور ان سے شرفِ لقاء بھی نصیب ہوا جن کے ساتھ ماضی میں بے تکلف ملاقاتیں، دعوتوں کا تبادلہ، بعد العصر اکثر ایک ہی ساتھ چہل قدمی کے لیے نکلنے اور دارالاقامہ کا نظام ایک ہی ساتھ سنبھالنے کا سلسلہ رہا تھا، ان حضرات میں سے جناب مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی (جو، اب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند بھی بنائے گئے ہیں) اور جناب مولانا محمد نسیم صاحب بارہ بنکوی سرفہرست ہیں، ان دونوں حضرات اور احقر کا ایک ہی ساتھ دارالعلوم دیوبند میں تعلیمی سال ۱۴۰۲ھ-۱۴۰۳ھ کو تقرر ہوا تھا، حسنِ اتفاق سے تینوں کو بچوں سمیت ایک ہی عمارت ''دارالمدرسین'' میں رہائش بھی ملی تھی، اس سفر میں پرانی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر دارالمدرسین ہی میں مولانا محمد نسیم صاحب کے دسترخوان پر تینوں نے ایک ہی ساتھ ناشتہ کیا، ناشتہ کے بعد ان کے قریب میں رہائش پذیر بزرگ استاذ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب بستوی سے ملاقات ہوئی جنہوں نے بہت اکرام کیا، موصوف شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ کے شاگردوں میں سے ہیں (دارالعلوم میں حضرت مدنی قدس سرہٗ کے شاگرد چند ہی رہ گئے ہیں) اور طلبہ میں ایک مقبول و مشفق استاذ کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں، عمر میں ہم تینوں سے کافی بڑے ہیں؛ لیکن اپنی تواضع کی بنیاد پر ہمارے ساتھ ان کا معاملہ بے تکلف دوستوں جیسا ہوا کرتا تھا، اللہ تعالیٰ ان کی عمر وصحت میں برکت عطا فرمائے۔

چند نوجوان اساتذہ سے ملاقاتیں

اس باسعادت سفر دارالعلوم دیوبند میں چند اُن نوجوان اساتذۂ کرام سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا جن کی تقرریاں دارالعلوم سے میری واپسی کے بعد ہوئی ہیں، ان حضرات کا علمی انہماک، تدریسی ذمہ داری کو نباہنے کے ساتھ ساتھ تصنیف وتألیف کے میدان سے بھی اچھی دلچسپی اور اپنے بڑوں اور اساتذہ سے مضبوط تعلق اور ان کے مشوروں سے چلنا، ان تمام امور کو دیکھ کر یہ محسوس ہوا کہ الحمدللہ مادرِ علمی کا علمی وعملی دونوں میدانوں میں امتیاز جیسا کہ ہمیشہ برقرار رہا ہے ایسا ہی آئندہ بھی ان جیسے نوجوانوں کے ذریعہ ان شاء اللہ برقرار رہے گا۔

ان نوجوان اساتذہ میں جناب مولانا عبداللہ صاحب معروفی، جناب مولانا عارف جمیل صاحب قاسمی، جناب مولانا محمد ساجد صاحب قاسمی، جناب مولانا محمد علی صاحب بجنوری، جناب مولانا توحید عالم صاحب قاسمی، جناب مولانا محمد عثمان صاحب ہوڑوی، جناب مولانا اشتیاق احمد صاحب دربھنگوی، جناب مولانا اشرف عباس صاحب قاسمی وغیرہ (زید مجدہم) شامل ہیں، نوجوان اساتذۂ کرام میں سے کچھ حضرات نے اپنی تالیفات کا ہدیہ بھی پیش کیا، فجزاھم اللہ خیراً، ان تالیفات کو دیکھ کر ان کی صلاحیتوں اور محنتوں کا اندازہ ہوا۔

جامع مسجد رشید میں نماز جمعہ کی امامت

دارالعلوم دیوبند میں اس مختصر قیام کے دوران دفتر اہتمام کی طرف سے جامع مسجد رشید کے امام صاحب کے ذریعہ یہ پیغام موصول ہوا کہ احقر بروز جمعہ ۹/۷/۱۴۳۵ھ مطابق ۹/۵/۲۰۱۴ء کو جامع مسجد رشید میں نمازِ جمعہ پڑھا کر پرانی یادوں کو تازہ کرادیں، اس حکم کو اپنے لیے سعادت سمجھ کر اس امید پر قبول کیا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اس دنیا میں میری خامیوں اور نااہلیت پر پردہ ڈال کر علماء وصلحاء کی ایک عظیم جماعت کی امامت وخطابت کا موقع دے رہا ہے شاید قیامت میں بھی ان ہی صلحاء کے طفیل میں اس گنہگار کا بیڑا پار کرادے۔

شہر دیوبند کے چند دیگر دینی اداروں کی زیارت

اس دلچسپ سفر میں دارالعلوم کے علاوہ شہر دیوبند کے چند دیگر ایسے دینی اداروں کی زیارت کا موقع بھی ملا جو احقر کی مدرسی کے زمانے میں موجود نہیں تھے، ان اداروں میں سے ایک ''دارالعلوم (وقف)'' ہے جس کے مہتمم حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہم ہیں، جب میں دیوبند میں تھا اسی وقت یہ ''دارالعلوم (وقف)'' قائم ہوگیا تھا؛ البتہ عمارت نہ ہونے کی وجہ سے اس نے شہر دیوبند کی جامع مسجد میں کام شروع کردیا تھا اور عیدگاہ کے قریب اس کے لیے مستقل عمارت کے ارادہ سے زمین حاصل کرلی گئی تھی، اس سفر میں راقم نے دیکھا کہ اس زمین پر ایک شاندار عمارت کھڑی ہے جس میں درسگاہیں، دارالاقامہ، دفاتر اور مدرسہ کی تمام ضروریات کا انتظام موجود اور تعلیم کا سلسلہ جاری ہے، اور سب سے اچھی اور باعث اطمینان چیز یہ نظر آئی کہ اب الحمدللہ اختلاف کی کیفیت بھی ختم ہوچکی ہے اور دونوں ادارے (دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم وقف) اپنے اپنے دینی کاموں میں لگے ہوئے ہیں اور ذمہ داران کا آپس میں اچھا تعلق بھی قائم ہے۔

مولانا عبدالرشید صاحب بستوی فاضل دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر دیوبند کے ایک اور دینی

ادارے "جامعة الامام محمدانورالکشمیری" کی زیارت کاموقع بھی ملا، اورمولانا موصوف۔ جومذکورہ ادارہ کے ایک قابل استاداورصدرالمدرسین اوراحقر کے مخلص دوست ہیں۔ کی خواہش پرطلبہ کی تقریری انجمن کے اختتامی پروگرام میں شریک ہوکرطلبہ کی خدمت میں چند باتیں بھی عرض کیں، مولانا نے احقر کا بہت اکرام کیااوررات کے کھانے پرمدعوبھی کیا۔

اسی طرح "الجامعة الاسلامية للبنات"۔جس کے بانی ومدیرجناب مولانا سیداسجد صاحب مدنی زیدمجدہم ہیں۔کی زیارت کے لیے بھی حاضرہوااوراس کی نفاست ونظافت اور حسنِ انتظام کودیکھ کردل خوش ہوا،مولانا خودچونکہ سفرمیں تھے اس لیے ان سے شرفِ ملاقات حاصل نہ کرسکا جس کاقلق اب تک باقی ہے؛ البتہ ان کے ہونہارصاحبزادے جناب مولاناحسن صاحب مدنی سے ملاقات ہوئی اورانھوں نے ایک پُرتکلف دعوت سے بھی نوازا۔میرے ایک اورمخلص دوست مولانامزمل حسین صاحب آسامی کاقائم کردہ مدرسہ "جامعة الشيخ حسين احمدالمدنی" کی زیارت بھی نصیب ہوئی اورمولاناموصوف نے بھی احقر کااکرام کیااورایک پرتکلف دعوت پرمدعوبھی کیا۔قریب میں واقع "شیخ الاسلام اکیڈمی"، جس کی نگرانی محترم مولاناسید امجدصاحب مدنی فرمارہے ہیں کی زیارت اوروہاں کےعلمی واشاعتی کاموں سے آگاہی وخوشی حاصل ہوئی، بالخصوص "تحفة الأحوذي شرح جامع الترمذي" پرمولاناسیدامجدمدنی صاحب بارك الله فی علومه وجهوده کےتحقیقی کام (جس کاسلسلہ جاری ہے) سے دل بڑا خوش ہوا، اللہ تعالیٰ پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطافرمائے۔

دارالعلوم دیوبند کی ترقی کے چند اہم اسباب

اس سفر کے دوران اپنی مادرِعلمی دارالعلوم دیوبند کے ماضی وحال پرغورکرتاہوااوراس کی بے مثال ترقی کاتصورکرتاہواذہن اس طرف متوجہ ہوا کہ اس حیرت انگیزکامیابی کے بنیادی اسباب کیاہیں؟ آخر میں چنداہم اسباب کی طرف ذہن منتقل ہوا جن کواختصار کے ساتھ قلمبندکرنا مناسب سمجھتاہوں:

۱:- اخلاص وللّٰہیت

اللہ تعالیٰ نے اکابرین دارالعلوم کواخلاص وللّٰہیت کابھرپورحصہ عطافرمایاتھا،بانیِ دارالعلوم حضرت مولانامحمدقاسم نانوتوی علیہ الرحمۃ کاپیش کردہ آٹھ دفعات پرمشتمل دستورالعمل جو"اصول ہشتگانہ" کے نام سے مشہورہے ایک بےنظیردستورہے،اُن آٹھ اصولوں بالخصوص اصل نمبرچھ اور

اصل نمبر آٹھ پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بانی کو اللہ تعالیٰ نے اخلاص وتوکل علی اللہ کا حصۂ وافر عطا فرمایا تھا، ملاحظہ ہو اصل نمبر چھ ''اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ ان شاء اللہ بشرطِ توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا، اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانۂ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجا جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امدادِ غیبی موقوف ہوجائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہوجائے گا، القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے''۔

اور اصل نمبر آٹھ بھی حرف بحرف نقل کی جاتی ہے ''تامقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندہ سے امیدِ ناموری نہ ہو بالجملہ حسنِ نیتِ اہلِ چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے''۔

اخلاص کا یہ سلسلہ دارالعلوم دیوبند کے ماحول میں ہر زمانہ کے اندر جاری رہا ہے اور مستقبل میں بھی ان شاء اللہ جاری رہے گا، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند (متوفی ۱۴۳۲ھ) رحمہ اللہ کا اپنے دورِ اہتمام میں مدرسہ سے کسی قسم کی رعایت وسہولت قبول نہ کرنا اور نہ ہی اپنے فائق فرزند یا خاندان کے دوسرے فرد کو مدرسہ میں لگانا اس سلسلۂ اخلاص کی بقاء کی واضح دلیل ہے۔

۲:- محنت وسادگی

علم کی ترقی کے لیے مستقل محنت کی ضرورت ہوتی ہے، اور چونکہ محنت وسادگی میں چولی دامن کا ساتھ ہے اس لیے محنت وہی شخص کرسکتا ہے جس کی زندگی میں سادگی ہو، جو لوگ سہولت پسندی اور پرتعیش زندگی کے عادی ہوتے ہیں، ان سے علمی میدان میں محنت نہیں ہوسکتی، انھیں تو ہمیشہ عمدہ سے عمدہ لباس، پرتکلف دعوتوں اور مہنگے ہوٹلوں کے کھانوں، غیرضروری اسفار، عمدہ اور جدید ترین سواریوں اور نئی نئی سہولتوں پر مشتمل رہائشگاہوں کی فکر دامن گیر رہتی ہے، علمی کاموں کے لیے نہ ان کے پاس فرصت ہوتی ہے اور نہ ہی محنت ومشقت برداشت کرنے کا حوصلہ۔

اکابر وفرزندانِ دارالعلوم دیوبند کی گھٹی میں محنت وسادگی دونوں شامل ہیں، بانیِ دارالعلوم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ سے لے کر آج تک علمائے دارالعلوم کی زندگیاں محنت وسادگی سے بھرپور، تکلفات سے دور اور خواہشات کی پیروی سے خالی نظر آتی ہیں، ان کی دنیوی تمنائیں قلیل اور اخروی مقاصد جلیل ہوا کرتے ہیں؛ اس لیے انھوں نے تدریس

وتعلیم، تصنیف وتالیف، دعوت وتبلیغ، بدعات وفتن کی سرکوبی اور ہر دینی میدان میں ایسے کارنامے انجام دیے ہیں کہ ان کی بلندیوں کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے، ان ہی کارناموں اور کامرانیوں نے دارالعلوم کی معنویت کو بلند وبالا کردیا ہے۔

اس کاخِ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں

۳:- بااختیار شورائی نظام

دارالعلوم دیوبند کا نظم ونسق شروع ہی سے ''وَأَمْرُهُمْ شُوْرىٰ بَيْنَهُمْ'' کے اصول پر قائم ہے، اہل علم وتقویٰ پر مشتمل ایک بااختیار مجلس شوریٰ عزل ونصب اور دیگر تمام اہم امور کی نگرانی کرتی ہے اور اس کو مکمل اختیار وبالادستی حاصل ہے، ''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' کی تصریح کے مطابق ابتدائی مجلس شوریٰ سات ارکان پر مشتمل تھی، جن میں سرفہرست حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمۃ اور حضرت حاجی عابد حسین صاحب علیہ الرحمۃ کے نام نامی ہیں؛ بلکہ حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی صاحب بجنوری دامت برکاتہم نے اپنی مایۂ ناز کتاب ''شوریٰ کی شرعی حیثیت'' میں یہ ثابت کردیا ہے کہ مجلس شوریٰ کی تشکیل قیامِ دارالعلوم سے بھی پہلے ہوچکی تھی۔

اس بااختیار مجلس شوریٰ کی برکت سے دارالعلوم اقرباء پروری، نامناسب یا غیر ضروری تقرریوں اور دیگر فتن سے محفوظ ہے، اور دن بہ دن ترقی کی طرف گامزن ہے، جن اداروں میں شورائیت نہیں یا برائے نام ہے، وہ ادارے ترقی کے بجائے تنزل کی طرف سفر کرتے ہیں اور ان کی کارکردگی کمزور ہوکر آخر کار ختم ہوجاتی ہے۔

اس کے علاوہ اس سفر میں دارالعلوم دیوبند کے نظام سے متعلق ایک قابل صد تحسین نیا معمول میرے علم میں آیا جس نے مجھے بے حد متأثر کردیا، اور وہ یہ کہ سابق مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ (متوفی ۱۴۳۲ھ) نے اقرباپروری کے سدباب کے لیے اپنے دورِ اہتمام کے آخری سالوں میں یہ معمول بنایا تھا کہ دارالعلوم کے کسی استاذ محترم کے کسی فرزند ارجمند کو (جب تک کہ ان کے والد دارالعلوم میں تدریس سے وابستہ ہوں) دارالعلوم کا مدرس نہیں بنایا جائے گا، اس معمول سے متعلق احقر نے اطمینان حاصل کرنے کے لیے حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی موجودہ مہتمم دارالعلوم دیوبند سے ان کے دونوں نائبین کی موجودگی میں دفترِ اہتمام کے اندر جب دریافت کیا تو انھوں نے تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ معمول حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے زمانے سے جاری ہے اور چونکہ سب کو اس معمول کے بارے

میں علم ہے اور اس کے مطابق تعامل برقرار ہے؛ اس لیے اس کو چیلنج بھی نہیں کیا جاتا، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اس تعامل کو باضابطہ اور تحریری طور پر دستور کا حصہ نہیں بنایا گیا ہے۔

بہرصورت! دارالعلوم کی بے نظیر ترقی میں احقر کی نظر میں (غور کرنے کے بعد) بنیادی کردار مذکورہ تین اسباب نے ادا کیا ہے، اللہ تعالیٰ دارالعلوم اور اس کی دینی خدمات کا سلسلہ تا روز قیامت جاری وساری رکھیں، آمین۔

دیگر مدارس کے ذمہ داران کو بھی دارالعلوم دیوبند کی پیروی کرنی چاہیے

دارالعلوم دیوبند کو پوری دنیا میں اور بالخصوص برصغیر میں پھیلے ہوئے دینی مدارس کے ذمہ داران، اساتذۂ کرام اور طلبہ اپنی مادرِ علمی تصور کرتے ہیں اور اس سے بے پناہ محبت کا ظہار کرتے ہیں، لہٰذا ان کو چاہیے کہ دارالعلوم سے ان کی محبت صرف زبان تک محدود نہ ہو؛ بلکہ اکابرینِ دارالعلوم کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے طریقۂ کار اور قائم کردہ اصولوں کی پیروی کو اپنا شعار بنالیں، اخلاص وتقویٰ، محنت وسادگی، بااختیار شورائی نظام قائم کرنے اور صلاحیت وصالحیت کی بنیاد پر تقرریوں اور ترقیوں کا اہتمام فرمالیں، سہولت پسندی، نام ونمود، غیرضروری مصروفیات اور بالخصوص اقربا پروری سے اجتناب فرمالیں؛ اس لیے کہ اس صورت میں دینی ادارے ترقی کے بجائے تنزل کی طرف سفر شروع کردیتے ہیں اور لوگوں کا اعتماد آہستہ آہستہ ختم ہونے لگتا ہے، اور ذمہ داران کو یہ بات بھی ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ یہ مدارس کسی کی ذاتی ملکیت نہیں؛ بلکہ عام مسلمانوں کی امانت ہیں، جن کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ان پر عائد کردی ہے، اور قیامت کے دن اس امانت کے ہر ہر پہلو سے متعلق ذمہ داران حضرات کو جواب دینا ہوگا۔

احقر کے پاس صرف پندرہ دن کا ویزا تھا، ایسا محسوس ہورہا تھا کہ یہ پندرہ دن چند لمحات میں گزر گئے اور بروز منگل ۲۰/۷/۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴/۵/۲۰ء اس دعا کے ساتھ پاکستان واپسی ہوئی کہ اے اللہ! صحت وعافیت کے ساتھ بار بار مادرِ علمی اور وہاں کے بزرگوں کی زیارت کا موقع عنایت فرماتے رہیے۔ (آمین)

مرا امید وصالِ تو زندہ می دارد وگرنہ ہر دمم از ہجر تُست بیم ہلاک

❁ ❁ ❁

مولانا عبدالرحیم بستوی بھی چل بسے

۲۴؍ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ = ۹؍ستمبر ۲۰۱۵ء یوم چہارشنبہ کو تقریباً ۹؍بجے دن میں دارالعلوم دیوبند کے قدیم استاذ مولانا عبدالرحیم بستوی کا لگ بھگ ۸۰ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ ''انا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون'' مولانا مرحوم ادھر کئی مہینوں سے بیمار چل رہے تھے، نقاہت اور کمزوری بھی بڑھ گئی تھی، قیام گاہ سے درس گاہ تک پیدل چل کر آنے کی سکت نہیں تھی پھر بھی رکشا کے ذریعہ آتے اور بشاشت کے ساتھ درس دیتے، یہ سلسلہ ماہ رجب تک جاری رہا، شعبان میں امتحان سالانہ کی تکمیل کے بعد زمانۂ تعطیل میں مرض اور ضعف بتدریج بڑھتا گیا، دیوبند، حیدرآباد، پھر چنڈی گڑھ وغیرہ مقامات میں معقول علاج ہوتا رہا؛ مگر مرض میں نشیب وفراز جاری رہا، بالآخر چنڈی گڑھ سے جہاں آخری مرحلہ میں زیرعلاج تھے ڈاکٹروں کے مشورہ سے گھر دیوبند آگئے تھے اور یہیں یہ حادثۂ فاجعہ پیش آیا۔

مرحوم دارالعلوم دیوبند کے ان چند مخصوص اساتذہ میں سے ایک تھے، جنھیں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قُدِّسَ سِرُّہٗ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ اپنی مادرعلمی دارالعلوم دیوبند سے مولانا مرحوم کو غایت درجہ محبت تھی اور اس کی خدمت کو سعادت باور کرتے تھے۔ آج سے ۳۲-۳۳ سال پہلے دارالعلوم اپنی تاریخ کے نہایت سنگین حالات میں گرفتار تھا اور اسے مردانِ کار کی ضرورت تھی، اس وقت مولانا بنگلور، کرناٹک کی ایک جامع مسجد میں امامت وخطابت کے بلند منصب پر فائز تھے اور وہاں مولانا کے عقیدت مندوں کا ایک وسیع حلقہ تھا، دینی سیادت کے ساتھ دنیوی منافع بھی حاصل تھے؛ مگر ان سب کو نظرانداز کرکے رضاکارانہ طور پر دارالعلوم دیوبند کو اپنی خدمات پیش کردی، اس دورِ مصلحت اندیش میں ایسے مخلصین کم ہی ملیں گے۔

مولانا مرحوم ایک اچھے معلّم ومدرس کے ساتھ، بہترین خطیب ومقرر بھی تھے، شروع میں دینی جلسوں میں کثرت سے شرکت کرتے تھے؛ لیکن ادھر چند سالوں سے بہ تقاضائے عمر اور تدریسی مصروفیت کی بنا پر اس سلسلے میں کمی کردی تھی؛ البتہ معمول کے ساتھ رمضان کی تعطیل میں لندن کا دعوتی سفر جاری تھا، بس اس رواں سال کے رمضان المبارک میں بیماری کی بنا پر یہ سفر نہیں ہوسکا؛ حالاں کہ ویزا وغیرہ کی کارروائی پہلے ہی ہوچکی تھی، مولانا کا یہ سفر دینی اعتبار سے نہایت مفید تھا اور وہاں مقیم مسلمانوں کی اصلاح وہدایت کا ایک مؤثر ذریعہ تھا، لندن کے ان اسفار میں بیان کیے گئے مواعظ کو ”خطباتِ لندن“ کے نام سے شائع بھی کردیا تھا، جسے دینی حلقوں میں بہ نظرِ استحسان دیکھا گیا۔

مولانا موصوف نہایت نرم گفتار اور بُردبار شخصیت کے حامل تھے، اپنے چھوٹوں کے ساتھ بڑی شفقت وعنایت کا معاملہ کرتے تھے، اپنی اس صفت میں وہ دارالعلوم دیوبند کے احاطہ میں بطور خاص معروف ومشہور تھے، ان کے تعلقات دارالعلوم کے جملہ اساتذہ سے بہت اچھے تھے، میرے خیال میں ان سے کسی کو بھی شکایت نہیں تھی۔ بالخصوص حضرت مولانا ریاست علی بجنوری دامت برکاتہم سے ان کا گہرا تعلق تھا، بعد نماز عصر ان کے ساتھ بیٹھنے کا معمول تھا اور اس معمول کو بڑی خوش اسلوبی سے زندگی بھر نباہا، اس طرح کے وضع دار لوگ کہاں ملتے ہیں ع

خدا بخشے بہت ہی خوبیاں تھیں جانے والے میں!

❁ ❁ ❁